اسلامی ــــ علمی ــــ فکری

توحید

دو ماہی

نئی دہلی

وفائے عہد اور سچائی دونوں کا ہمیشہ ہمیشہ کا ساتھ ہے اور میرے علم میں اس سے بڑھ کر حفاظت کی اور کوئی سپر نہیں، جو شخص اپنی بازگشت کی حقیقت جان لیتا ہے وہ کبھی غداری نہیں کرتا۔ مگر ہمارا زمانہ ایسا ہے جس میں اکثر لوگوں نے غدر و فریب کو عقل و فراست سمجھ لیا ہے اور جاہلوں نے ان کی (چالوں) کو حسنِ تدبیر سے منسوب کر دیا ہے۔ اللہ انھیں غارت کرے انھیں کیا ہو گیا ہے۔ وہ شخص جو زمانے کی اونچ نیچ دیکھ چکا ہے اور اس کے ہیر پھیر سے آگاہ ہے۔ وہ کبھی کوئی تدبیر اپنے لیے دیکھتا ہے مگر اللہ کے اوامر و نواہی اس کا راستہ روک کر کھڑے ہو جاتے ہیں، تو وہ اس حیلہ و تدبیر کو اپنی آنکھوں سے دیکھنے اور اس پر قابو پانے کے باوجود چھوڑ دیتا ہے اور جسے کوئی دینی احساس سدِّ راہ نہیں ہے وہ اس موقعہ سے فائدہ اٹھا لے جاتا ہے۔

(نہج البلاغہ خطبہ ۴۱)

باسمہ تعالیٰ

والٰھنا والٰھکم واحد و نحن لہ مسلمون (عنکبوت/۴۶)

دوماہی

اسلامی، علمی، فکری

توحید

نئی دہلی

مدیر

سید محمد عسکری

معاونین

سید حسنین رضوی کراروی

ممتاز علی غازی پوری

سالانہ بدلِ اشتراک

ہندوستان	۱۵۰ روپے
پاکستان ہوائی ڈاک	۴۹۵ روپے
پاکستان زمینی ڈاک	۲۵۵ روپے
دیگر ممالک ہوائی ڈاک	۳۰ ڈالر

قیمت فی شمارہ	۲۵ روپے

مقاصد

کلمۃ التوحید وتوحید الکلمۃ

- قرآن وسنت پر نئے زاویوں سے بحث اور علمی وعملی پہلوؤں کی تلاش۔
- علمی سطح پر علماء و محققین امت میں اتحاد وہم آہنگی۔
- اسلامی تعلیمات میں آج کے مسائل کے حل کی دریافت
- فلسفۂ مشرق ومغرب سے فلسفۂ اسلام کے امتیازکی تشریح۔
- عالمی سطح پر ابھرتے ہوئے اسلامی فکری وسماجی انقلاب ونتائج پر گفتگو۔

ایڈیٹر، پرنٹر، پبلشر، پروپرائٹر سید محمد عسکری نے مرکزی پریس دہلی سے چھپواکر ۱۷۶۸۔ حوض سوئیوالان نئی دہلی ۲ سے شائع کیا۔

جلد۳ رمضان ، شوال ۱۴۱۵ھ

زر اشتراک بھیجنے کا پتہ :   فون : ۶۹۱۵۲۰۸

B.5 بھاسکر کمپاؤنڈ ابوالفضل انکلیو ۱ جامعہ نگر (اوکھلا) نئی دہلی ۱۱۰۰۲۵

خط و کتابت کا پتہ :

پوسٹ بکس نمبر ۱۱۹۱۷، نئی دہلی ۱۱۰۰۰۲

مطابق مارچ، اپریل ۱۹۹۵ء   شمارہ ۱

فکر و فلسفہ

ادارہ کا مقالہ نگار کی ہر رائے سے اتفاق ضروری نہیں ہے۔ مندرجات "اسلامی، علمی، فکری توحید" نقل کرنے کی اجازت ہے لیکن رسالہ کا حوالہ ضروری ہے۔

ارباب نظر و صاحبان قلم سے تعاون کی آرزو ہے۔ ادارہ

شذرہ

دعا — محبوب سے راز و نیاز

آج کے انسان کا معمول یہ ہے کہ جب تک اس کے تمام امور حسب منشا رانجام پاتے رہتے ہیں وہ اپنی ہی ذات میں مگن رہتا ہے اور بعض اوقات اپنے اطراف اور ماحول سے بھی بے نیاز ہو جاتا ہے اور اس کی نگاہ صرف اور صرف اپنی ذات، ذاتی مفاد، خود پرستی، شکم پرستی یا زیادہ سے زیادہ اپنے خاندان میں منحصر ہو کر رہ جاتی ہے، اس سے آگے اسے دیکھنے یا اس سے بالاتر اسے سوچنے کا موقع ہی نہیں ملتا۔ ایسے لوگوں کی زبان پر اگر کبھی سماج، معاشرہ، محلہ یا پڑوس کا لفظ آجاتا ہے تو وہ زیادہ تر لاشعور کی دین ہوتی ہے ورنہ زندگی کے صاف ستھرے اور چکنے جادہ پر چلتے ہوئے کسی کو کسی کی فکر نہیں ہوتی، ہاں اگر کبھی معمول کے خلاف کوئی اڑچن سامنے آجاتی ہے تو طبیعت کی پیشانی شکن آلود ہو جاتی ہے اور انسان چاہتا ہے کہ اپنے پاس موجود وسائل کے ذریعہ مسائل کو حل کر کے کم سے کم وقت میں حالات پر قابو پالے اور دوبارہ اپنی ذات میں مگن ہو جائے لیکن جب درپیش مسائل کے حل کے لیے موجودہ وسائل ناکافی ہوتے ہیں تو انسان اپنے چاروں طرف نگاہ دوڑاتا اور اپنے ہاتھ پاؤں مارتا ہے اور بعض اوقات وہی مغرور جو کسی کو بھی خاطر میں نہیں لاتا تھا۔ دوسروں کے سامنے گڑگڑاتا نظر آتا ہے اور محض احتمال کی بنیاد پر اس کے اُس کے پاس دوڑ لگاتا پھرتا ہے۔

○

اضطرار و اضطراب کی اس کیفیت کو صحیح رخ دینے، انسانی وقار کو باقی رکھنے اور حقیقی بے نیاز سے لو لگانے کے لیے خداوند عالم نے ذلت و رسوائی کے اندھیروں میں بھٹکنے والوں کو سہارا دیا کہ ایسی مصیبت و مشکل گھڑی میں میں تم سے دور نہیں ہوں اور بندوں کی حد درجہ بے اعتنائی اور ذات خداوندی سے لاپرواہی کے باوجود مدد کے لیے ان سے قریب ہوں چنانچہ سورہ بقرہ کی آیت ۱۸۶ میں ارشاد ہوتا ہے "اذا سالک عبادی عنی فانی قریب اجیب دعوۃ الداع اذا دعان" میرے بندے میرے بارے میں آپ سے سوال کرتے ہیں، پوچھتے ہیں، تو آپ ان سے بتا دیجئے کہ میں ان سے قریب ہوں اور جب وہ مجھے پکارتے ہیں،

تو میں ان کی آواز پر آواز دیتا ہوں ۔ قرآن میں پیغمبرؐ کی زبانی ٹوٹے اور بکھرے دلوں کو ڈھارس دی جا رہی ہے کہ تمہارا خدا جو تمام مسائل کے حل پر قادر ہے وہ کہیں دور اور تم سے بے خبر نہیں ہے ۔ ہاں اسے پکار کر دیکھو وہ ضرور تمہاری آواز پر آواز دے گا ۔ خدا کی کریم ذات نے خود اپنی ذات کی طرف راہنمائی کی اور پست ہمت کو حوصلہ بندھایا " قال ربکم ادعونی استجب لکم " تم مجھے بلاؤ میں ضرور تمہاری آواز پر لبیک کہوں گا ۔ (غافر/۶۰)

اگر خداوند عالم نے خود دعا کرنے کا حکم نہ دیا ہوتا تو شاید دعا کو امور تکوینی میں بے جا مداخلت سمجھا جاتا اس لیے کہ بندہ کا مرضئ پروردگار سے بے خبر مطالبے پر مطالبہ کیے جانا اور خواہشات کی تکمیل کے لیے مسلسل باب اجابت کو کھٹکھٹانا قضا و قدر الٰہی کے منافی قرار پاتا ۔

لیکن خداوند کریم نے اس خواہش پر نہ صرف یہ کہ بند نہیں باندھا بلکہ اس کے انجام سے بھی باخبر کر دیا کہ مصیبت کے وقت خدا سے لو لگانے والے ، وقت نکل جانے پر کس طرح بدل جاتے ہیں ۔ گویا انھیں یاد بھی نہیں رہتا کہ انھوں نے کبھی خدا سے رابطہ کیا تھا سورۂ یونس کی آیت ۱۲ میں انسان کی اسی سرکشی کی طرف اشارہ ہے کہ اذا مسّ الانسان الضرّ دعانا لجنبه او قاعدا او قائما فلما کشفنا عنه ضرّه مرّ کان لم یدعنا الیٰ ضرّ مسّه " انسان کو جب کوئی نقصان پہنچتا ہے تو اٹھتے بیٹھتے کروٹیں بدلتے ہم کو پکارتا ہے اور جب ہم اس نقصان کو دور کر دیتے ہیں تو یوں گزر جاتا ہے جیسے کبھی کسی مصیبت میں ہم کو پکارا ہی نہیں تھا ۔

معصومین علیہم السلام کی تعلیمات میں بھی اس موضوع پر محسوس و نمایاں انداز میں ترغیب ملتی ہے ۔ دعا کے تعلق سے حضرت علی علیہ السلام کا ارشاد گرامی " ادفعوا امواج البلاء بالدّعاء " دعا کے ذریعہ بلاؤں کی موجوں سے مقابلہ کرو (البحار جلد ۹۲ ص ۳۰۱ ، مستدرک الوسائل جلد ۱ ص ۳۶۱) یا انّ الدّعاء انفذ من السلاح الحدید ۔ دعا آہنی ہتھیاروں سے بھی زیادہ کارگر حربہ ہے (فلاح السائل ص ۲۳ ، مستدرک الوسائل جلد ۱ ص ۳۶۰) زندگی کے تاروں کو چھیڑنے والی یہ احادیث سنہرے حروف سے لکھنے کے لائق ہیں ۔

انسان کا واقعی عقیدہ اور حقیقی ایمان مشکل کے وقت ہی سامنے آتا ہے ورنہ نہ جانے کتنے اللہ کے بندے تھے اور ہیں جو عام حالات میں لوگوں میں شرک کی بو سونگھتے پھرتے ہیں لیکن جب خود کسی مشکل میں گرفتار ہوتے ہیں تو ان کے اوسان خطا کر جاتے ہیں اور وہ ایک عام اور معمولی مسلمان کی طرح خدا سے

لوگ گانے یا اس کی بارگاہ میں حل مشکل کی دعا کرنے کے بجائے مغرب و مشرق کی طرف دست نیاز بڑھاتے ہیں اور اس وقت انھیں یاد بھی نہیں رہتا کہ غیر خدا سے مدد مانگنا بلکہ دشمنان اسلام سے مدد کی درخواست کرنا نہ صرف یہ کہ ان کے کھوکھلے ایمان وعقیدہ کا مذاق اڑاتا ہے بلکہ پورے عالم اسلام کے لیے لمحۂ فکریہ بن جاتا ہے۔

○
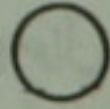
دعا سے متعلق عام تاثر یہ ہے کہ لوگ وقت ناوقت اپنی جائز و ناجائز خواہشات کی فہرست خدا کو سنانے کے بعد مثبت نتائج دیکھنے کے لیے بے چین ہو جاتے ہیں اور خود اپنے مقرر کردہ وقت پر کام ہوتا نہ دیکھ کر مایوسی کا شکار ہو جاتے ہیں اور اس بات کو یکسر نظر انداز کر دیتے ہیں کہ جس خدا نے دعا مانگنے کا حکم دیا ہے اور اس کے قبول کرنے کا وعدہ فرمایا ہے اس نے دعا کا طریقہ، وقت اور شرائط بھی بتائے ہیں آیا ہماری دعا میں ان شرائط اور اوقات کی پابندی کا لحاظ رکھا گیا ہے یا نہیں۔

اوقات کے سلسلہ میں مولائے کائنات حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں۔ اغتنموا الدعا عند اربع عند قرأۃ القرآن وعند الاذان وعند نزول الغیث وعند التقاء الصفین للشہادۃ چار مواقع پر دعا کو غنیمت جانو۔ ۱۔ تلاوت کلام پاک کے وقت ۲۔ ہنگام اذان ۳۔ بارش کے موقع پر ۴۔ اور جس گھڑی لشکر اسلام سپاہ کفر و شرک سے نبرد آزما ہو۔ بیان حدیث کی رو سے یہ چار مواقع ایسے ہیں جن میں قبولیت دعا کا امکان پایا جاتا ہے۔

قبولیت کے سلسلہ میں ایک اور مقام پر ارشاد ہوتا ہے" اذا زالت الشمس تفتح ابواب السماء و ابواب الجنان واستجیب الدعا فطوبیٰ لمن رفع لہ عند ذالک عمل صالح، زوال آفتاب کے وقت آسمان اور جنت کے دروازے کھل جاتے ہیں اور دعا قبول ہوتی ہے" قابل مبارکباد ہے وہ شخص جس سے ایسے موقع پر عمل صالح انجام پائے (امالی الصدوق ص ۳۶۱، مصابیح الانوار جلد ۲ ص ۲۳۳)

احادیث معصومین علیہم السلام میں جس طرح قبولیت دعا کے لیے وقت کا ذکر ملتا ہے اسی طرح اور دوسری شرطیں بھی ہیں جن کی رعایت انتہائی لازمی اور ضروری ہے مثال کے طور پر پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں من احب ان یستجاب دعاؤہ فلیطیب مطعمہ ومکسبہ" جو شخص یہ چاہتا ہو اس کی دعا بارگاہ الٰہی میں قبول ہو جائے اسے چاہیے کہ اپنی خوراک اور ذریعہ آمدنی کو پاک بنائے" (البحار جلد ۹۳ ص ۳۷۳)

کیوں کہ پیٹ میں موجود حرام یا ناپاک غذا خدا اور بندے کے درمیان حائل بن جاتی ہے اور رابطہ پیدا نہیں

ہونے دیتی یا دعا کی توفیق ہی چھین لیتی ہے۔

○
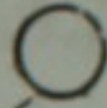
ممکن ہے کوئی بندہ تمام شرائط کے ساتھ خدا سے دعا کرے اور خدا اس کا مطالبہ پورا نہ کرے کیوں کہ بندہ اپنے اطراف، ماحول اور مستقبل سے بے خبر ہر اچھی لگنے والی چیز کا سوال کیے چلا جاتا ہے اور اسے اس شئی کے حصول کے نقصانات کا اندازہ نہیں ہوتا ہاں کبھی کبھی وقت گزر جانے کے بعد بندہ کو احساس ہوتا ہے کہ بڑا اچھا ہوا کہ ہماری فلاں دعا قبول نہیں ہوئی ورنہ بڑی مصیبت میں گرفتار ہو جاتے۔

بندہ کے حق میں والدین سے زیادہ مہربان اور شفیق اور مستقبل سے باخبر پروردگار کا فیصلہ ہی مفید ہوتا ہے، جس طرح محبت کرنے والے والدین بچہ کی ہر ضد پوری نہیں کرتے اور نقصان دہ امور سے نہ صرف اسے روکتے ہیں بلکہ بعض اوقات تادیب بھی کرتے ہیں اسی طرح خداوند عالم بھی بربنائے حکمت و مصلحت کچھ دعائیں قبول نہیں کرتا۔

البتہ یہ بات بھی واضح رہے کہ قبول نہ کرنے کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ اہمیت نہیں دیتا یا نظر انداز کر دیتا ہے بلکہ وقت آنے پر اس سے بہتر چیز فراہم کر دیتا ہے یا پھر اسے اس کے عوض اخروی اجر سے نوازتا ہے۔

دعا کے فوری اثرات ظاہر نہ ہونے کی ایک وجہ شوق و محبت بھی ہے جیسا کہ کتاب الکافی جلد ۲ صفحہ ۴۹ پر امام صادق علیہ السلام سے منقول ایک حدیث سے اشارہ ملتا ہے "عن ابی عبد اللہ انّ المومن لیدعوا للّٰہ عزّ وجلّ فی حاجتہ فیقول اللہ عزّ وجلّ اخّروا اجابتہ شوقاً الی صوتہ و دعائہ" بندۂ مومن جب خدا سے اپنی حاجت طلب کرتا ہے تو خدا اس کی مناجات و دعا کو بار بار سننے کے شوق میں فرشتوں کو حکم دیتا ہے کہ اس بندہ کی دعا کو قبول کرنے میں تاخیر کی جائے۔

○
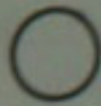
کتنے خوش نصیب ہیں اللہ کے وہ بندے جن کے راز و نیاز کو خدا پسند فرماتا ہے۔ ماہ شعبان، مناجات شعبانیہ اور ماہ مبارک رمضان تلاوت قرآن کریم اور دعاؤں کی بہار کا زمانہ ہے قرآن کی تلاوت جو حقیقتاً بندوں سے خدا کی گفتگو ہے اور دعائے ابوحمزہ، ثمالی، کمیل، توسل جوشن کبیر و صغیر، دعائے سحر اور دعائے افتتاح وغیرہ یہ بندہ کی اپنے معبود سے سرگوشی ہے اور اس کی توفیق بھی اسی بارگاہ سے حاصل ہوتی ہے۔

خدایا ان مبارک ایام میں بندوں کو اپنی ہم کلامی کا شرف عنایت فرما اور قبولیت اعمال و دعا کو ہم گنہگاروں کے لیے عیدی قرار دے۔ آمین۔

جعل اللہ الکعبۃ البیت الحرام قیاما للناس والشہر الحرام والھدی والقلائد ذلک لتعلموا ان اللہ یعلم ما فی السمٰوٰت وما فی الارض وان اللہ بکل شئ علیم - اعلموا ان اللہ شدید العقاب وان اللہ غفور رحیم - ما علی الرسول الا البلاغ واللہ یعلم ما تبدون وما تکتمون -

ترجمہ:

اللہ نے کعبہ کو "بیت الحرام"، لوگوں کے لیے قیام کا سبب قرار دیا - اور حرمت والے مہینے، اور حرم میں قربانی کو اور گلے میں پٹہ پڑے جانوروں کو - یہ اس لیے کہ تم یقین کرلو کہ بلاشبہ، اللہ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے یہ کہ اللہ بخشنے والا، رحم کرنے والا ہے۔ ۹۷۔ جان لو، بلاشبہ اللہ بڑا سخت عذاب دینے والا ہے - ۹۸ - رسول کے ذمے صرف پیام رسانی ہے اور اللہ جانتا ہے، جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو چھپاتے ہو۔ ۹۹۔

تفسیر:

۹۷- جعل اللہ الکعبۃ البیت الحرام ------

بیت الحرام: غیر معمولی احترامات رکھنے والا گھر۔ وہ گھر جہاں کسی کو جان و مال اور آبرو کا نقصان پہنچانا حرام ہے۔

قیاماً للناس: کعبہ کی صفت و حال ہے۔ لوگوں کے قیام و قرار، خوش حالی و قوت کی جگہ۔ مثابۃ وامناً۔ منزلِ آسودگی و امان اور بے خوف و خطر ٹھکانا۔ مبارک و ھدیً۔ برکت کا مرکز اور ہدایتِ عالمین کا سرچشمہ ہے۔ جب تک کعبہ قائم ہے انسان ہلاکت سے محفوظ ہیں۔ خانہ کعبہ چوں کہ ابنِ آدم کی رہنمائی کا مرکز ہے اس لیے یہاں آنے اور رہنے والوں کو برکت، عافیت اور زندگی کے سہارے ملتے ہیں۔ نفسیاتی و قانونی سکون، سیاسی و معاشرتی آسودگی، امن و امان، فکری اور عملی قوّت اقدام و زندگی۔ بلند ترین گھر کہ عرش تک اُس کی بلندی ہے اور امام محمد باقر علیہ السّلام کی خبر و حدیث کے مطابق لوگوں کو اس سے بلند مکان اور اونچی منزلیں بنانے کی اجازت نہیں ہے پھر مکان کے احترام میں زمانہ بھی محترم کر دیا ذیقعدہ، ذی حجہ، محرم و رجب وہ مہینے ہیں جن میں جنگ حرام ہے۔ امن کے مہینے، تجارت و سفر، فکر و نظر کے مہینے یعنی عمرہ و حج کے مہینے۔

یوں تو ہر جاندار کا حرم میں مارنا اور نباتات کا اکھیڑنا ممنوع ہے لیکن خصوصیت سے حرم میں جانے والے باعلامت اور بے علامت قربانی کے جانور بھی محترم ہیں۔

کعبے کے احترامات کے اغراض و مقاصد انسانوں کے لیے منافع اور قیام اور سہارے ہیں، جب انسان سوچے گا اور فکرِ انسانی بیدار ہوگی تو اسے یقین ہوگا کہ اللہ، تمام نکات و جہات کا عالم اور ہر چیز کی حقیقت سے علیم و خبیر ہے۔

۹۸- اعلموا ان اللہ ------

اللہ جل و علا، صاحبِ جلال ہے اس کے عذاب سے بچنے کی تدبیر کرتے رہو۔ وہ غفور و رحیم ہے لہٰذا مایوسی کی بات کوئی نہیں۔

۹۹- ما علی الرسول الا البلٰغ ------

حیثیت برباد نہیں ہوئی ان کے لیے اپنی پہچان "چراغ راہ" کے طور پر کراتا ہے اور خود کو ایک "فارق" "پیام و تذکرہ" کا نام دیتا ہے اور حضرت محمدؐ کو صرف ایک "مبلغ" جس کا منصب پیام رسانی اور یاددہانی کرانے والے کے سوا کچھ نہیں ہے۔ اس طرح قرآن کا مقصد لوگوں کو آگہی بخشنا اور حیات بشری میں راہ تکمیل و راہ توفیق کو جدا کر دینا ہے" اسے گردنوں پر لادنا یا سر پر تھوپنا نہیں ہے اور یہ ظاہر ہے کہ جو عناصر دقوم میں صرف جہالت و انجماد کی خوراک پر پلتی ہیں، وہ اس کے سامنے دیوار کھڑی کرتی ہیں، سازش کرتی ہیں، حملہ کر بیٹھتی ہیں، پیغام کو دبا دیتی ہیں، ابلاغ کو ناممکن بنا دیتی ہیں اور یہی وہ مقام ہے جہاں جہاد کی ضرورت ہوتی ہے یہ خیال رہے کہ وہ تلوار جو طاقت و غلبہ کی راہ کشا ہو اور وہ جو کلام و پیام حق کا دروازہ کھولے ایک جیسی نہیں، اسی طرح خلافت و امامت میں فرق ہے امت اسلامی یا کسی اور اقلیم پر تسلط اور سب پر اسلام کو لادنا الگ شئے ہے لیکن سب کو اسلام کی دعوت دینا دوسری چیز ہے۔ ہمارے پیغمبروں مثلاً مسیحؑ و محمدؐ کی زبان سے مذہبی انٹرنیشنلزم کا مطلب یہ ہے کہ تمام اقوام و ملل کو عالمی سطح پر ایک انسانی دستور و ایمان و عقیدہ و اصول بخشنا اور خلیفہ یا پوپ کی لغت میں زور و جبر سے مذہب کا قلادہ گردنوں میں ڈال کر ایک قوم کی دیگر اقوام مذہبی پر سامراجیت قائم کرنا ہے۔ اور مذہب بھی ایسا ہو جو اس جبار و صاحب اقتدار کا خدمت گزار بن کر آیا ہو۔ ... اور عمیق ترین معنی، آخری تجزیہ صحیح ترین جوہری تعریف کی بنا پر اسلام میں "خلافت" و "امامت" کا بنیادی فرق یہی ہے۔

کچھ لوگ "اسلام ہو یا کوئی عالمی سطح کا مذہب ہر ایک کو ایک قسم کی آمریت سے تعبیر کرتے ہیں یہ حکم اسی وقت درست ہے جب کہ اسلام کو ہم صرف خلافتِ اسلامی کے چوکھٹے میں رکھ کر دیکھیں اور ظاہر ہے یہ شناخت غلط ہے۔ اسلام کو آمریت کی ایک قسم بتانے والے صرف اپنے مذہب کو حقیقت مانتے ہیں اور دیگر مکاتب و مذاہب کو باطل گردانتے ہیں۔ جب کہ ہر مکتب و ہر فلسفہ و نظریہ ایک عملی حقیقت ہوتا ہے اور اس کے سوا کچھ ہو ہی نہیں سکتا۔ کیوں کہ اگر وہ اپنی حقانیت کا یقین نہ رکھے تو پھر دعوت کوئی معنی نہیں رکھتی۔ آمریت و آزادی کا سبب یہ نہیں ہوتا کہ ایک مکتب خود کو حق جانتا ہے یا ناحق" بلکہ اس کا سبب یہ ہوتا ہے کہ کیا وہ دوسروں کے لیے حقِ انتخاب کا قائل ہے یا نہیں" یہ لوگ سب کو اسلام کی دعوت دینے اور سب پر اسلام لادنے میں فرق کرنے میں غلطی کرتے ہیں۔ ..."

(جاری ہے)

گناہ شناسی

گناہوں کے سماجی اسباب

جناب محسن قرائتی

گناہوں کے سماجی اسباب کے سلسلہ میں مندرجہ ذیل امور کی تحقیق کی جا سکتی ہے۔

۱۔ فاسد معاشرہ

۲۔ گمراہ رہبر

۳۔ برے دوست اور ساتھی

۴۔ سماجی محرومیت

۱۔ سالم یا فاسد ماحول:

جس طرح کوڑے خانے میں جراثیم پیدا ہوتے ہیں بلاشبہ اسی طرح غلط اور ناپاک معاشرہ اور ماحول میں گناہوں کے جراثیم جنم لیا کرتے ہیں۔

مدرسہ، گھر، ادارہ، قصبہ، شہر، یونیورسٹی، حوزۂ علمیہ، اسپتال وغیرہ کے ماحول میں مختلف اعتبار سے فرق ہوتا ہے۔

ماحول کا اثر:

سورۂ اعراف کی آیت ۱۳۸ تا ۱۴۱ میں یہ تذکرہ ملتا ہے کہ جب موسیٰؑ کے پیروکار دریائے نیل عبور کرنے

کے بعد فرعون کے پنجۂ استبداد سے چھوٹ کر ایک ایسی قوم کے پاس سے گزرے جو نہایت خضوع وخشوع کے ساتھ بتوں کی پوجا میں مشغول تھی تو وہ ان سے بہت متاثر ہوئے اور موسیٰؑ سے کہا:

قالوا یاموسیٰ اجعل لنا الٰھا کما لھم آلھة (اعراف/۱۳۸)

اے موسیٰ! جیسے ان کے معبود ہیں ویسے ہی معبود ہمارے لیے بھی بنادو۔

حالاں کہ موسیٰؑ کے ساتھی موسیٰؑ کی رہنمائی میں چل رہے تھے مگر اپنے ماحول کو دیکھ کر متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکے موسیٰؑ نے ان کی سرزنش کی اور فرمایا:

انکم قومٌ تجھلون ، انّ ھٰؤلا متبرّ ماھم فیہ و باطل ما کانوا یعملون (اعراف/۱۳۸ - ۱۳۹)

تم جاہل قوم ہو، ان کا انجام فنا ہے، یہ جو کچھ کر رہے ہیں وہ باطل اور بیہودہ عمل ہے۔

ماحول کے اثر کا قرآنی واقعہ:

حضرت موسیٰؑ کے زمانہ میں قارون ایک سرکش سرمایہ دار شخص تھا، ایک دن وہ اپنی دولت کی نمائش کے لیے پوری قوم کے سامنے تمام زینتوں کے ساتھ ظاہر ہوا۔ قرآن کہتا ہے:

فخرج علیٰ قومہ فی زینتہ (قصص/۹)

قارون اپنی تمام زینتوں کے ساتھ اپنی قوم کے سامنے آیا۔

جب لوگوں نے اس کا سرمایہ دیکھا تو بہت متاثر ہوئے دنیادار آہ سرد بھر کر کہنے لگے:

قال الذین یریدون الحیاۃ الدّنیا یالیت لنا مثل مااوتی قارون انہ لذوحظٍّ عظیم (قصص/۹)

اے کاش جیسی دولت قارون کے پاس ہے ویسی ہمارے پاس بھی موجود ہوتی یقیناً اسے بہت بڑا حصہ حاصل ہے۔

لیکن علم و معرفت کے حامل افراد نے ماحول سے متاثر ہونے اور ہوا کے رخ پر بہہ جانے والے جاہلوں پر اعتراض کیا اور کہا:

وقال الذین اوتوا العلم ویلکم ثواب اللہ خیر لمن آمن و عمل

(جن کو علم و دانش عطا کیا گیا تھا انھوں نے کہا) تم پر افسوس ہے، جو لوگ ایمان لائے اور عمل صالح انجام دیتے ہیں ان کے لیے ثواب الٰہی بہتر ہے اور صابروں کے علاوہ یہ ثواب کسی کو نہیں ملتا۔۔۔۔[1]

فاسد معاشرہ سے بچنے کا ذریعہ:

ہجرت اسلام کا ایک قابل توجہ موضوع ہے۔ جب پورا معاشرہ برائیوں اور خرابیوں کے گرداب میں پھنس جائے اور انسان اس معاشرہ کو تنہا بدل دینے میں کامیاب نہ ہو بلکہ خود اس کا دین بھی خطرہ میں نظر آئے، تو ایسے موقع پر دین بچانے کے لیے ناپاک معاشرہ سے دوری اختیار کرے اور ہجرت کر کے وہاں چلا جائے جہاں اس کا دین محفوظ رہ سکے اور اسے پھولنے پھلنے کا موقع ملے۔

لیکن ایسے افراد جو معاشرہ کو چھوڑ سکتے ہیں اور اسے نہ چھوڑیں اور اس میں رہ جائیں اور معاشرہ سے متاثر ہوں تو انھیں یہ حق نہیں ہے کہ وہ اپنے گناہوں کی تاویل میں معاشرہ کو بدنام کریں۔

چنانچہ قرآن میں ایسا بہانہ کرنے والوں کے لیے دوزخ کی دھمکی موجود ہے۔

تاریخ بتاتی ہے کہ مکہ میں ظاہری طور پر اسلام قبول کرنے والے کچھ مسلمانوں نے اپنے گھر اور مال کی حفاظت کے لیے پیغمبرؐ کے ساتھ ہجرت کرنے سے گریز کیا۔ پھر انھوں نے اپنے گھر اور مال کی حفاظت کی خاطر مشرکین کے ساتھ جنگ بدر میں شرکت کی اور مسلمانوں کے ہاتھوں مارے گئے۔ سورۂ نساء کی آیت ۹۷ میں ارشاد ہوتا ہے۔

"جن لوگوں کی روحوں کو فرشتوں نے قبض کیا حالاں کہ انھوں نے خود اپنے اوپر ظلم کیا (مشرکوں کے ساتھ جنگ میں شریک ہوئے اور قتل کیے گئے) ان سے فرشتوں نے کہا تم کس حال میں تھے (اور مسلمان ہونے کے باوجود کافروں کی صف میں کیوں شامل ہو گئے ؟) (معاشرہ سے متاثر ہونے والے ان مسلمانوں نے کہا) ہم اپنی سرزمین یعنی مکہ میں بہت تنگی میں تھے۔ فرشتوں نے ان سے کہا کہ کیا خدا کی زمین وسیع نہیں تھی کہ تم مکہ سے ہجرت کر کے دوسری جگہ چلے جاتے۔ پھر ان کے پاس کوئی عذر باقی نہیں بچا۔ ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور

---

[1] مندرجہ بالا دونوں واقعات میں جہل اور نادانی کو ماحول کے اثرات سے متاثر ہونے کا سبب بتایا گیا ہے۔ علم اور معرفت وہ شے ہے جس کے ذریعہ ماحول کے اثرات سے محفوظ رہا جا سکتا ہے۔

وہ بہت برا ٹھکانا ہے۔"
قرآن مجید میں ۲۶ بار ہجرت کا تذکرہ آیا ہے اور بعض آیتوں میں مہاجرین کا بہت بڑا اجر بیان کیا گیا ہے۔
گناہ سے دوری بھی ایک طرح کی باطنی ہجرت ہے۔
احادیث کریمہ میں بھی ہجرت کی بڑی اہمیت بیان ہوئی ہے رسول اکرمؐ نے فرمایا:
من فر بدینہ من ارض الی ارض وان کان شبرا من الارض استوجب
الجنة وکان رفیق محمد و ابراھیم علیھما السلام
جو شخص اپنے دین کے تحفظ کی غرض سے ایک جگہ سے دوسری جگہ ایک بالشت بھی ہجرت کرے تو وہ
بہشت کا مستحق ہے اور جنت میں وہ محمدؐ و ابراہیم علیہما السلام کا ہمنشیں ہوگا۔[1]
جس طرح محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت ابراہیم علیہ السلام مہاجرین کی صف میں سب سے آگے ہیں یہ شخص بھی انھیں کے ساتھ اس صف میں موجود ہوگا۔
ایک روایت میں ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں آخر زمانہ کے کسی ایسے شہر کا تذکرہ تھا جو فتنہ و فساد اور برائیوں سے لبریز ہوگا امامؑ نے اپنے ایک شاگرد جناب مفضل سے فرمایا:
اگر تم اپنا دین بچانا چاہتے ہو تو اس جگہ کو کبھی بھی اپنا محل سکونت قرار نہ دینا۔
وفر منھا الی قلة الجبال ومن الحجر الی الحجر
اور وہاں سے پہاڑ کی چوٹی پر، یا ایک غار سے دوسرے غار کی طرف فرار کرنا۔[2]
اس حدیث سے بھی یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ برا معاشرہ اور ماحول انسان کی زندگی کو متاثر کرتے ہیں لہٰذا اسے اپنے دین کی حفاظت کے لیے ایسے ماحول سے دوری اختیار کرنا چاہیے۔
بہت واضح الفاظ میں اس مطلب کو یوں بیان کیا جا سکتا ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے دین کو محفوظ رکھتے ہوئے معاشرہ کو پاک بنا سکتا ہے تو اس معاشرہ میں اس کا رہنا جائز ہے بلکہ کبھی کبھی تو ایسی جگہ رہنا واجب ہو جاتا ہے، ورنہ وہاں سے کہیں دور جانا ضروری ہے۔

---

[1] نور الثقلین جلد ۱ ص ۵۴۱
[2] منتخب التواریخ ص ۵۰۰

ہمرنگ جماعت:

ماحول کو فاسد بنانے والی ایک چیز یہ بھی ہے کہ انسان ہمرنگ جماعت ہو جائے اور عوام الناس جو کر رہے ہیں وہی کرنے لگے۔ اسلام یہ سکھاتا ہے کہ انسان کی فکر اس کا کام خدا کی خوشنودی کے لیے ہونا چاہیے۔ انسان کو اخلاص کا دامن کبھی نہیں چھوڑنا چاہیے جس چیز میں خدا کی خوشنودی ہے انسان اسے دوست رکھے اور خدا جس چیز سے ناراض ہوتا ہے انسان اس کو دشمن رکھے۔ انتخاب اور ارادوں کا معیار فرمان خدا ہو، عوام الناس اور لوگوں کی رائے معیار نہ بننے پائے۔۔۔

اگر اس کے برخلاف ہوا اور انسان جماعت کے رنگ میں رنگ گیا تو سارا معاشرہ خدا کی خوشنودی کے حلقے سے نکل کر لوگوں کی ہوا و ہوس کا اسیر ہو جائے گا۔ خدا نے (سوائے بعض جگہوں کے) اکثریت کو معیار نہیں قرار دیا ہے۔

امام موسیٰ بن جعفر علیہ السلام اپنے دانشور شاگرد ہشام سے فرماتے ہیں:

یا هشام! لو کان فی یدك جوزة وقال النّاس لؤلؤة ما کان ینفعك وانت تعلم انّها جوزة، ولو کان فی یدك لؤلؤة وقال النّاس انّها جوزة ماضرّك وانت تعلم انّها لؤلؤة۔

اے ہشام! اگر تمہارے ہاتھ میں اخروٹ ہو اور لوگ یہ کہیں کہ یہ مروارید ہے تو اس سے تم کو کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ اور اگر تمہارے ہاتھ میں مروارید ہو اور لوگ یہ کہیں کہ یہ اخروٹ ہے تو اس سے تم کو کوئی نقصان نہیں ہوگا۔[1]

لقمان نے اپنے بیٹے کو وصیت کرتے ہوئے فرمایا:

لا تعلّق قلبك برضی النّاس فانّ ذالك لا یحصل

اپنے دل کو لوگوں کی خوشنودی سے وابستہ نہ کرو۔ کیوں کہ تم چاہے جو کر ڈالو تمام افراد کی رضامندی حاصل نہیں کر سکتے

---

[1] سفینۃ البحار جلد ۲ / ۵۲۸

پھر بات کی وضاحت کے لیے سواری لے کر نکلے خود خچر پر سوار ہوئے اور بیٹا پیدل چلنے لگا راستہ میں جب کچھ لوگوں نے دیکھا تو کہنے لگے کہ یہ بوڑھا کتنا سخت دل اور بے رحم ہے، خود سواری پر سوار ہے اور بیٹا پیدل چلا جا رہا ہے۔ آپ نے بیٹے کو خچر پر سوار کیا اور خود پیدل چلنے لگے تھوڑی دور چلنے کے بعد کچھ لوگوں نے جب بیٹے کو خچر پر سوار اور باپ کو پیدل چلتے دیکھا تو کہا کہ باپ نے بیٹے کو تربیت نہیں دی ہے اور بیٹا بھی کیسا بداخلاق ہے خود سوار ہے اور باپ پیدل چلا جا رہا ہے لہٰذا دونوں برے ہیں۔ اس کے بعد اس خچر پر لقمان اور ان کے بیٹے دونوں سوار ہو گئے۔ اب جب کچھ لوگوں نے دیکھا تو کہنے لگے کہ یہ دونوں کتنے بے رحم ہیں اس بے زبان جانور پر دونوں سوار ہیں! آگے چل کر لقمان اور ان کے بیٹے دونوں خچر سے اتر پڑے خچر کو آگے کر دیا اور خود اس کے پیچھے چلنے لگے۔ اب جب کچھ لوگوں نے دیکھا تو کہا کہ یہ عجیب لوگ ہیں سواری موجود ہے مگر پھر بھی پیدل چل رہے ہیں۔

جناب لقمان نے اپنے بیٹے سے کہا! میرے لال تم نے دیکھا مختلف فکر و نظر کے افراد کو راضی کرنا محال ہے؛

فلا تلتفت الیھم واشتغل برضی اللہ جل جلالہ؛

لہٰذا تم ان کی پرواہ نہ کرنا اور خدا کی خوشنودی حاصل کرنے کی کوشش کرنا [1]

پیغمبر اسلامؐ نے فرمایا:

من ارضی سلطانا سخط اللہ عزّوجل کان حامدہ من النّاس ذاماً

اگر کوئی شخص کسی بادشاہ کو خدا کی ناراضگی کی جگہ خوش کرے تو اس کی مدح کرنے والے اس کی مذمت کرنے والے بن جائیں گے [2]

امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا:

جو خدا کی ناراضگی کے بدلے لوگوں کی خوشنودی حاصل کرے تو وہی تعریف کرنے والے اس کی مذمت کرنے والے بن جائیں گے۔ جو ایسی چیز میں خدا کی اطاعت کرے جس سے لوگ ناراض ہوتے ہیں تو خدا اس کو ہر دشمن کی دشمنی، ہر حسد کرنے والے کے حسد اور ہر ظالم کے ظلم سے محفوظ رکھے گا اور خدا اس کا مددگار رہے گا۔

---

[1] سفینۃ البحار جلد ۲/ ۵۱۱ [2] فروع کافی جلد ۵/ ۶۳

معاشرہ کی خرابی کے اسباب:

کھلم کھلا فسق و فجور کرنا، گناہوں کو شایع کرنا، گناہوں میں مدد کرنا، گناہ اور غیبت پر راضی رہنا، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا ترک کرنا، غلط رہبروں کا انتخاب اور حدود الٰہی کو ترک کرنے کی اسلام میں شدید ممانعت ہے ایسی چیزیں معاشرہ کو بگاڑنے کا سبب ہیں۔ اسلام نے ان گناہوں سے بھی روکا ہے جو معاشرہ پر براہ راست اثرانداز ہوتے ہیں مثلاً بے حجابی، گمراہ کرنے والی چیزیں، سیکسی فلم، نشیلی چیزیں وغیرہ۔ اسلام نے ان سے نہ صرف یہ کہ منع کیا بلکہ حکومت اسلامی کا فرض قرار دیا کہ وہ سختی سے روکنے کی کوشش کرے اور اس سے بڑھ کر لوگوں پر واجب ہے کہ وہ حالات پر نظر رکھیں اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کرتے رہیں۔ اگر ان دونوں بنیادی باتوں کا تجزیہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ معاشرہ کو پاک و پاکیزہ بنانے میں ان چیزوں کا بہت زیادہ ہاتھ ہے۔

انسان مدنی الطبع ہے وہ ایک بڑے معاشرہ میں زندگی گزارتا ہے، یہ بڑا معاشرہ اس کے گھر کی طرح ہے اس کی چہار دیواری اس کے اپنے گھر کی چہار دیواری کی مانند ہے۔ معاشرہ کی پاکیزگی خود اس کی پاکیزگی میں معاون ہوتی ہے۔ معاشرہ کی نجاست و کثافت فرد کو بھی نجس کر دیا کرتی ہے۔

اسی وجہ سے اسلام میں ہر اس چیز کو سختی سے روکا گیا ہے جو معاشرہ کو نجاست اور گناہوں سے آلودہ کر دے۔ اجتماعی گناہ انفرادی گناہ سے زیادہ برا ہے کیوں کہ اس سے گناہوں کی عادت پڑ جاتی ہے اور اس کے بیج پورے سماج میں جڑ پکڑنے لگتے ہیں۔ اسی وجہ سے اگر کسی جگہ آگ لگ جائے تو اس آگ کو بجھانا یا گھیر کر محدود کر دینا ضروری ہے ورنہ اس کے شعلے پورے محلہ کو جلا کر راکھ کر دیں گے۔

پیغمبر اکرمؐ نے اجتماعی گناہ کی مثال دیتے ہوئے فرمایا جس طرح کسی کشتی پر بہت سے لوگ سوار ہوں اور اس میں سے ایک شخص کشتی میں سوراخ کرنے لگے اگر اس کو ٹوکا جائے تو وہ جواب دے کہ میں وہیں سوراخ کر رہا ہوں جو میری جگہ ہے میں یہاں جو چاہوں کر سکتا ہوں اگر ایسے انسان کو سوراخ کرنے سے روکا نہیں گیا تو پوری کشتی ڈوب جائے گی لہٰذا اس ایک آدمی کو اس عمل سے روکنا ضروری ہے۔

اب ہم ان گناہوں کا مختصر طور پر تذکرہ کریں گے جو معاشرہ کی تباہی و بربادی کا باعث بنتے ہیں اور اس تذکرہ کا مقصد یہ ہے کہ ہم ان کی خرابی سے واقف ہو جائیں۔

الف۔ کھلم کھلا گناہ کرنا:

سورۃ نور کی آیت ۱۹ میں ارشاد ہوتا ہے۔

" ان الذین یحبون ان تشیع الفاحشۃ فی الذین آمنوا لھم

عذاب الیم فی الدنیا والآخرہ "

جو لوگ مومنین کے درمیان گناہ پھیلانے کو دوست رکھتے ہیں ان کے لیے دنیا و آخرت میں

دردناک عذاب ہے۔

آیت کریمہ نے بتایا کہ ایسا کام اگر عمل کے مرحلہ سے نہ بھی گزرے بلکہ اگر ایسے کاموں کو صرف دوست رکھا جائے تو دردناک عذاب کا باعث ہیں اس سے پتہ چلتا ہے کہ اسلام میں گناہوں کو عام کرنے اور پھیلانے کی بہت سخت ممانعت ہے۔

بہر حال اگر کوئی یہ چاہتا ہے کہ معاشرہ برائیوں سے پاک رہے تو وہ گناہوں کو چھپائے عام نہ کرے تاکہ گناہ پھیلنے اور بڑھنے نہ پائیں اور انسان ان کا عادی نہ بن جائے۔ اس بات کی مزید وضاحت کے لیے، ہم نے ذیل کی روایتیں منتخب کی ہیں۔

۱۔ رسول خداؐ نے فرمایا:

من اذاع فاحشۃ کان کمبتدئھا[1]

جو شخص کسی برے کام کو عام کرے وہ گویا خود اس کام کا انجام دینے والا ہے۔

۲۔ آپؐ نے یہ بھی فرمایا:

المستتر بالحسنۃ یعدل سبعین حسنۃ، والمذیع بالسیئۃ

مخذول والمستتر بھا مغفور لہ[2]

چھپا کر نیکی کرنے والے کو (ریا سے بچنے کی بنا پر) ستر گنا ثواب ملتا ہے۔ جو شخص گناہوں کو عام کرتا ہے وہ رحمت خدا سے مایوس ہے۔ جو شخص گناہوں کو چھپاتا ہے وہ خدا کی مغفرت کا حق دار ہوتا ہے۔

---

[1] اصول کافی جلد ۲/ ۳۵۶ (باب التعییر) [2] اصول کافی جلد ۲/ ۱۶۰ (باب ستر الذنوب)

۳۔ امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا:

یجب للمؤمن ان یستر علیہ سبعین کبیرۃ [1]

ایک مومن پر واجب ہے کہ وہ دوسرے مومن کے ستر گناہان کبیرہ پر پردہ ڈالے۔

۴۔ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

جو شخص ہمارے حق کو پہچانتا ہے ہم اس کی نجات کی امید کرتے ہیں سوائے تین افراد کے۔

۱۔ ظالم بادشاہ۔ ۲۔ نفسانی خواہشات کی پیروی کرنے والا۔ ۳۔ کھلم کھلا گناہ کرنے والا [2]

۵۔ آپؑ نے فرمایا:

اذا جاھر الفاسق بفسقہ فلا حرمۃ لہ ولا غیبۃ [3]

جب گنہگار کھل کر گناہ کرنے لگے تو پھر اس کا کوئی احترام باقی نہیں رہتا اور نہ اس کی غیبت حرام ہوتی ہے۔

البتہ اس مقام پر جواز غیبت اسی گناہ کے سلسلہ میں ہے جو وہ کھلم کھلا انجام دے رہا ہے۔

۶۔ رسول خداؐ نے فرمایا:

اللّٰھمّ انّی اعوذ بک من خلیل ماکر۔۔۔ ان رأی حسنۃ دفنھا، وان رأی سیئۃ اذاعھا [4]

پالنے والے میں حیلہ ساز دوست سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔۔۔ کیوں کہ اگر وہ نیکی دیکھتا ہے تو اسے چھپا دیتا ہے اور اگر کوئی برا کام دیکھتا ہے تو فاش کر دیتا ہے۔

۷۔ امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا:

ذو العیوب یحبّون اشاعۃ معائب النّاس لیتّسع لھم العذر [5]

عیب والا، گناہوں کو پھیلا دینا چاہتا ہے تاکہ اس کو گناہ کرنے کا بہانہ مل جائے۔

متعدد فقہی احکام میں پوشیدہ اور کھلم کھلا گناہ کرنے والوں کے درمیان فرق ملتا ہے۔

---

[1] سفینۃ البحار جلد ۱/ ۵۹۸ [2] بحار الانوار جلد ۷۳/ ۲۵۵

[3] سفینۃ البحار جلد ۲/ ۲۶۱ [4] نہج الفصاحۃ ۱۰۱/ [5] فہرست غرر/ ۲۸۸

پیغمبروں کا کام اللہ کے احکام لوگوں تک پہنچانا اور علمی و عملی طور پر سمجھانا ہے بلاغ وافہام کے بعد امت کی ہر فرد اللہ کے سامنے جواب دہ ہے۔ وہ ہر ایک کی نیت و عمل سے باخبر ہے۔

قل لاّ یستوی الخبیث والطیّب ولواعجبک کثرۃ الخبیث فاتقّوا اللہ یاُولی الالباب لعلکم تفلحون۔

ترجمہ :

آپ کہہ دیجیے کہ خبیث گندی۔ اور پاک۔ طیّب۔ چیز برابر نہیں، چاہے خبیث چیز کی زیادتی تمہارے لیے دلکش ہی ہو۔ اللہ سے تقویٰ رکھو۔ اے عقل والو! تم فلاح۔ بہتری۔ پاجاؤ گے۔

تفسیر:

خبیث وطیّب کا فرق:

قانون اور عوامی تقاضوں میں ہم آہنگی ضروری نہیں ہے، اچھائی اور برائی، خبیث اور طیّب کا دارومدار کثرت وقلت پر نہیں۔ بنیادی بات ہے کہ انسانی فلاح وبہبود کس سے وابستہ ہے، الکحل کا عام ہونا، قتل کی فراوانی، زنا اور بدکاری کا رواج، سور کے گوشت کی زیادتی اور ان جیسے خبائث کی عمومیت اور زیادتی، بلکہ عیاشی وفحاشی، رقص وموسیقی کی دل کشی سے متاثر ہوکر اللہ کا قانون نہیں بنتا، اس کی بنیاد، دوررس نتائج اور حکیمانہ مقاصد ہیں اس لیے طیّب، حلال، پاک اور ایمان ومومن کم ہوں تو ان کی برتری مانو اور کمیاب ہوں تو ان کی جستجو کرو۔ اور خبیث، نجس، حرام، مضر، کفر وکافر، کثرت سے دستیاب ہوں تو انھیں خوش گوار نہ سمجھو۔ کامیابی کے حصول کا فلسفہ، امتیازِ خبیث وطیّب ہے۔

یایھا الذین امنوا لا تسئلوا عن اشیاء ان تبد لکم تسؤکم وان تسئلوا عنھا حین ینزّل القراٰن تبد لکم عفا اللہ عنھا واللہ غفور حلیم۔ قد سالھا قوم من قبلکم ثمّ اصبحوا بھا کفرین۔

امام خمینیؒ تحریر الوسیلہ میں سہم سادات کے مصرف کے سلسلہ میں فرماتے ہیں:

الاحوط عدم الدفع الی المتھتّک المتجاھر بالکبائر بل یقوّی عدم الجواز ان کان فی الدفع اعانۃ الاثم والعدوان والاغراء بالقبیح [1]

احتیاط یہ ہے کہ سہم سادات اس سید کو نہ دیا جائے جو گستاخ ہے اور کھلم کھلا گناہ کبیرہ انجام دیتا ہے بلکہ اگر اس کو سہم سادات دینا گناہ، خلاف ورزیوں اور قبیح باتوں میں مدد کا باعث ہو تو اقوی یہ ہے کہ اس کو یہ رقم دینا جائز نہیں ہے۔

اہل کتاب (یہود و نصاریٰ۔۔۔) کے بارے میں "شرائط ذمّۃ" میں سے ایک شرط یہ بھی ہے کہ وہ مسلمانوں کے سامنے کھلم کھلا شراب نہ پئیں، سور کا گوشت نہ کھائیں، زنا نہ کریں اور محرم عورتوں سے ازدواج بھی نہ کریں [2]

امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے پوچھا گیا کہ ایک زنا کرنے والے یا شراب پینے والے یہودی، عیسائی یا مجوسی کو گرفتار کیا جائے تو اس کا کیا حکم ہے۔ آپ نے فرمایا:

یقام علیہ حدود المسلمین اذا فعلوا ذالک فی مصر من امصار المسلمین او فی غیر امصار المسلمین اذا رفعوا الی حکّام المسلمین

اگر اس نے مسلمانوں کے شہر میں اس گناہ کا ارتکاب کیا ہے تو اس پر اسلام کے حدود جاری کیے جائیں گے۔ اور اگر دوسرے شہر میں بھی اس نے یہ کام انجام دیا ہے تب بھی اس کے لیے یہی حکم ہے اگر اس کو مسلمان قاضی کے سامنے حاضر کیا جائے [3]

ان روایتوں اور احکام سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ جن گناہوں کے کھلم کھلا انجام دینے پر حد جاری کی جاتی ہے ان کے لیے اہل کتاب پر بھی حد جاری کی جائے گی اور حدود ان گناہوں پر جاری کیے جائیں گے جو کھلم کھلا انجام دیے جاتے ہیں۔

حضرت علیؑ نے فرمایا:

---

[1] تحریر الوسیلہ جلد ۱ / ۳۶۵ [2] تحریر الوسیلہ جلد ۲ / ۵۰۱ [3] وسائل الشیعہ جلد ۱۸ / ۲۳۸

شرّ الناس من لا یعفو عن الھفوۃ ولا یستر العورۃ [1]

وہ شخص بدترین انسان ہے جو لغزشوں سے درگزر نہیں کرتا اور عیب نہیں چھپاتا۔

یہ بھی دھیان میں رہے کہ فحشاء و منکر کے مراکز کھولنا لوگوں کو گناہ و بے حجابی کی دعوت دینا اور علی الاعلان گناہوں کے لیے راستہ ہموار کرنا ہے۔

ب۔ بے حیائی اور پردہ دری:

بے شرمی اور پردہ دری بھی معاشرہ کو تباہ و برباد کرنے کا بہت بڑا سبب ہے۔ اس وجہ سے اگر ماحول اور معاشرہ کو پاک رکھنا ہو تو اسلامی شرم و حیاء کا پاس و لحاظ ضروری ہے۔ خدا کے سامنے حیا، انسانوں کے سامنے حیا اور خدا کے نزدیک حیا کا معاشرہ کی اصلاح اور پاکیزگی پر بڑا گہرا اثر پڑتا ہے۔

رسول خداؐ نے فرمایا:

استحیوا من اللہ حقّ الحیاء [2]

خدا سے مکمل طور پر حیاء کرو

حضرت امیرالمومنینؑ نے فرمایا:

من لا یستحی من الناس لم یستحی من اللہ [3]

جو لوگوں سے شرم نہیں کرتا اسے خدا سے بھی حیاء نہیں آتی۔

آپ کا ہی ارشاد ہے:

احسن الحیاء استحیائک من نفسک [4]

سب سے اچھی حیاء یہ ہے کہ تم اپنے آپ سے شرم کرو

قرآن اور مسئلہ حیاء:

قرآن نے مختلف انداز میں مسئلہ حیاء کو بیان کیا ہے مثلاً:

---

[1] غرر الحکم جلد ۱/ ۴۴۶ [2] مصباح الشریعہ/ ۸۶ [3] میزان الحکمت جلد ۲/ ۶۶ منقول از غرر الحکم [4] ایضاً

۱۔ زبان کی حیا (انعام/۱۰۸)

۲۔ انداز گفتگو کی حیا (احزاب/۳۲)

۳۔ راستہ چلنے میں حیا (قصص/۲۵)

۴۔ مہمان کی حیا (احزاب/۵۳)

۵۔ نگاہ ڈالنے کی حیا (نور/۳۰-۳۱)

۶۔ اقتصادی امور میں حیا وغیرت (بقرہ/۲۷۳)

۷۔ گھروں میں داخل ہونے میں حیا (نور/۵۸-۵۹)

غرض کہ اسلام کے احکام کے مطابق اگر تمام پہلوؤں میں حیا سے کام لیا جائے اور عملی طور پر شرم وغیرت کی رعایت کی جائے تو معاشرہ کو پاک کرنے اور پاک رکھنے میں بڑی مدد ملتی ہے۔ اسی طرح اگر شرم وغیرت کا دامن چاک کر دیا جائے تو اس سے معاشرہ گناہوں کی تاریکیوں میں ڈوبتا چلا جاتا ہے۔

لاپروائی اور تماشہ بینی:

اگر کسی معاشرہ میں گناہ انجام دیے جا رہے ہوں اور اس کے افراد لاپروائی سے تماشہ دیکھنے میں مصروف ہوں تو اس سے بھی گناہوں کو بڑھاوا ملتا ہے۔

اسلام نے امر بالمعروف، نہی عن المنکر، تولّیٰ تبرّا اور جہاد و دفاع کا مقدس فریضہ اپنے پیروکاروں پر عائد کر کے ان کو یہ حکم دیا ہے کہ وہ معاشرہ میں پھیلی ہوئی برائیوں کا تماشہ نہ دیکھیں بلکہ گہرائی سے ان کا مطالعہ کریں اور ہر طرح کی خرابی کو مٹا کر نیکیوں کو عام کرنے کے لیے کمر ہمت کس لیں عقیدہ و عمل کی منزل میں خدا کے دوستوں سے دوستی (تولّیٰ) اور اس کے دشمنوں سے دشمنی (تبرّا) کریں۔

خدا کے نیک بندوں سے محبت اور ان کے راستہ کی عملی تائید تولّیٰ ہے اس سے معاشرہ کو پاک کرنے میں بڑا عمیق اور وسیع نتیجہ حاصل ہوتا ہے۔

اسی طرح تبرّا کا مطلب یہ ہے کہ فاسق اور ظالم کے اعمال سے بیزاری کی جائے۔ اسلام کے احکام کو دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ اسلام نے گناہوں کے مدمقابل لاپروائی اور تماشہ بینی سے منع کیا ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ انسان گناہوں کا مقابلہ کرنے کے لیے میدان میں اترے اور آخری حد تک معاشرہ کو

پاک کرنے کی کوشش کرے۔

د۔ گناہوں پر رضامندی:

گناہوں پر راضی رہنے یا سکوت اختیار کرنے سے بھی معاشرہ میں گناہوں کو پھیلنے اور بڑھنے کا موقع ملتا ہے۔

خداوند عالم نے ان یہودیوں کو انبیاء کا قاتل کہا ہے جو پیغمبر اکرمؐ کے زمانہ میں تھے اور جن کے آباء و اجداد نے انبیاء کو قتل کیا تھا۔ اس مضمون کو سورہ آل عمران کی آیت ۱۸۳ میں ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔

روایت میں ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے ان لوگوں کو امام حسینؑ کا قاتل قرار دیا ہے جو آپ کے زمانہ میں قتل حسینؑ پر راضی تھے۔ اور محولہ بالا آیت سے استناد کرتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ جو شخص کسی انسان کے قتل پر راضی ہو وہ قاتلین کی صف میں شمار کیا جاتا ہے [۱]

ناقۂ صالح کو پے کرنے والا صرف ایک شخص تھا لیکن چوں کہ پوری قوم والے اس عمل سے راضی تھے، اس بنا پر خدا نے پوری قوم ثمود پر عذاب نازل کیا اور یہ کہا کہ "فعقروھا"[۲] ان تمام لوگوں نے مل کر ناقہ صالح کو پے کیا ہے۔

حضرت امیر المومنین نے اس کی وجہ بیان فرمائی:

"وانما عقر ناقة ثمود رجل واحد فعمّهم الله بالعذاب لمّا عمّوه بالرّضا"

ناقۂ صالح کو ایک شخص نے پے کیا لیکن خدا نے پوری قوم پر عذاب نازل کیا کیوں کہ اس کام سے سب راضی تھے [۳]

گناہوں پر رضامندی اور روایات:

اس موضوع پر بہت سی روایتیں موجود ہیں ہم یہاں نمونہ کے طور پر صرف تین روایات پیش

---

[۱] وسائل الشیعہ جلد ۱۱/ ۴۱۲م - ۵۰۹ [۲] ہود/ ۶۵ - شعراء/ ۱۵۷ - شمس/ ۱۴ [۳] نہج البلاغہ خطبہ ۲۰۱

کررہے ہیں۔

۱۔ امیر المومنین علیؑ نے فرمایا:

الرّاضی بفعل قوم کالداخل فیہ معھم و علی کلّ داخل فی باطل اثمان اثم العمل بہ، واثم الرّضیٰ بہ

جو شخص کسی قوم کے کام پر راضی ہو وہ اس قوم میں داخل اور اس کام میں شرکت کرنے والا سمجھا جائے گا۔ جو باطل کاموں میں دخل رکھتا ہے وہ دو گناہوں کا مرتکب ہوتا ہے۔ ۱۔ گناہ کے عمل کا۔ ۲۔ گناہ پر راضی رہنے کے گناہ کا۔[1]

۲۔ رسول اکرمؐ نے فرمایا:

جب کسی سرزمین پر کوئی گناہ ہو تو اس گناہ کو دیکھنے والا اگر اس سے متنفر ہے تو وہ غائب شمار کیا جائے گا۔ لیکن اگر کوئی شخص غائب اور اس گناہ سے دور ہے مگر راضی ہے تو وہ حاضر اور اس گناہ کے عمل میں شامل شمار کیا جائے گا۔[2]

۳۔ بعض زیارتوں میں منجملہ ان کے زیارت اربعین میں بھی یہ جملہ موجود ہے۔

ولعن اللہ امۃ سمعت بذالک فرضیت بہ

خدا اس قوم پر لعنت کرے جو آپ کے قتل کے واقعہ کو سننے کے بعد خوش ہوئی۔

۵۔ گناہ اور ظلم پر تعاون:

ظلم پر اعانت اور مدد کرنے سے بھی سماج میں گناہ پھیلتا ہے۔ اس اعانت اور کمک کی نوعیت الگ الگ ہوتی ہے۔ گناہ گار کی مدد کرنے سے وہ اور زیادہ طاقتور اور گستاخ ہو جاتا ہے اس طرح گناہوں کو پھیلنے یا پیدا ہونے میں مدد ملتی ہے مثلاً بے پردگی ایک سماجی گناہ ہے اگر کچھ لوگ بے پردگی کی کسی بھی عنوان سے مدد اور حمایت کریں تو اس سے بے حجابی کو پھیلنے کا موقع ملے گا اور اگر اس کی عادت پڑ گئی

---

[1] نہج البلاغہ حکمت ۱۵۴ ۔ وسائل جلد ۱۱/ ۴۱۱

[2] نہج الفصاحہ حدیث ۲۲۲ ۔ وسائل الشیعہ جلد ۱۱/ ۴۱۰

تو تمام جگہوں پر فتنہ پیدا ہو جائے گا اس گناہ سے دوسرے گناہوں کو بھی مدد ملتی ہے۔

قرآن اور اسلام نے بڑی شدت کے ساتھ گناہوں پر مدد کرنے خصوصاً ظالم کی مدد کی ممانعت کی ہے اور بڑی تاکید کے ساتھ ہم کو بیدار کیا ہے۔

۱۔ سورۂ مائدہ آیت ۲ میں ارشاد ہوتا ہے:

تعاونوا علی البر والتقوی ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان

نیکی اور تقویٰ کے کاموں پر مدد کرو گناہ اور ظلم میں ہرگز مدد نہ کرنا۔

اگر معاشرہ میں نیک، مثبت اور تعمیری کاموں پر اعانت ہونے لگے نیز بری باتوں اور ظلم و ستم کی مدد نہ ہو تو بہت سے کام بن جائیں اور بہت سے گناہوں کا سدباب ہو جائے۔

۲۔ سورۂ ہود کی آیت ۱۱۳ میں ارشاد ہوتا ہے:

ولا ترکنوا الی الذین ظلموا فتمسکم النار

تم ظالموں پر تکیہ نہ کرو یہ جہنم میں جانے کا موجب ہے۔

یعنی ظالموں کی طرف میلان، ان سے دوستی، مدد اور اظہار رضامندی حرام ہے۔ ان باتوں سے ڈرتے رہنا اور ان سے تعلقات منقطع رکھنا نجات کا باعث ہے۔

۳۔ سورۂ انعام آیت ۶۸ میں خداوند عالم فرماتا ہے:

فلا تقعد بعد الذکری مع القوم الظالمین

تو یاد کرنے کے بعد ظالم لوگوں کے ساتھ ہرگز نہ بیٹھنا۔

۴۔ سورۂ دہر آیت ۲۴ میں ارشاد ہوتا ہے۔

ولا تطع منھم اثماً او کفوراً

کسی گنہ گار اور کافر کی اطاعت نہ کرو

اس کے علاوہ قرآن مجید میں جہاں بھی لا تطع۔ لا تطیعوا۔ لا تتبع آیا ہے وہاں ظالموں اور گنہ گاروں کی مدد سے ممانعت کی گئی ہے۔

اسلامی روایات میں بھی مختلف عنوان اور تعبیرات کے ذریعہ ظالم کی ہر طرح کی مدد سے روکا گیا ہے۔ مثلاً:

۱۔ جو شخص کسی بدعت پیدا کرنے والے کا احترام کرے یا اس سے خوش ہو اور اس کو پناہ دے اس نے اسلام کو ڈھا دینے کی کوشش کی اور خدا کی رحمت سے دور ہو گیا۔[1]

۲۔ جو ظالم کی بقا کا خواہاں ہو یا اس کی مدح و ثنا کرے یا اس سے انکساری کا برتاؤ کرے، وہ اس کے گناہ میں شریک ہے، وہ جہنم میں ہامان کے پڑوس میں رکھا جائے گا۔ (ہامان، فرعون کے مظالم میں کمک کیا کرتا تھا)[2]

۳۔ جو شخص ظالموں کی مدد کرکے تنخواہ حاصل کرتا ہے، وہ قیامت میں سور کی شکل میں محشور ہوگا۔[3]

۴۔ کسی ظالم کے چہرہ کی طرف (تعریفی انداز میں) دیکھنا گناہ کبیرہ ہے۔[4]

۵۔ ظالم کے دربار کی امامت جماعت قبول کرنا اس کی مدد ہے اور قبول کرنے والا خدا کی لعنت کا مستحق ہے۔[5]

۶۔ دشمنان اسلام کے ہاتھوں اسلحہ بیچنا کفر ہے۔[6]

۷۔ قیامت کے دن یہ آواز آئے گی کہ ظالم اور ان کی مدد کرنے والے کہاں ہیں۔ یہاں تک کہ ان کے لیے کاغذ اور قلم مہیا کرنے والے بھی ان کے ساتھ دوزخ میں جھونک دیے جائیں گے۔[7]

۸۔ ظالم حکام کے احکام کو نافذ کرنے والا دوزخ میں سخت عذاب کے ساتھ داخل کیا جائے گا۔[8]

۹۔ شراب کے سلسلہ میں رسولؐ خدا نے دس طرح کے افراد پر لعنت کی ہے۔

۱۔ شراب کی پیداوار کے لیے کاشتکاری کرنے والا ۲۔ اس کی نگرانی کرنے والا ۳۔ شراب بنانے والا ۴۔ شراب پینے والا ۵۔ شراب دینے والا ۶۔ شراب لاد کر لانے والا ۷۔ شراب بیچنے والا ۸۔ شراب خریدنے والا ۹۔ تاجر ۱۰۔ درمیان میں واسطہ اور رابطہ بننے والا۔[9]

۱۰۔ امام رضاؑ کی خدمت میں دو مسافر پہنچے آپؑ نے ان میں سے ایک سے فرمایا، تم اپنی تمام نمازیں پوری پڑھو کیوں کہ تم بادشاہ سے ملاقات کی غرض سے آئے ہو اور تمہارا سفر، سفر معصیت ہے۔[10]

---

[1] قصار الجمل جلد ۱/ ۳۴، ۵م [2] وسائل الشیعہ جلد ۲/ ۱۳۳، ۱۳۴ [3] وسائل الشیعہ جلد ۲/ ۱۳۰ بحار الانوار جلد ۵/ ۳۰۳
[4] بحار جلد ۵/ ۳۰۳ [5] بحار جلد ۵/ ۲۹۱ [6] وسائل الشیعہ جلد ۱۲/ ۱۰ [7] وسائل الشیعہ جلد ۱۲/ ۱۳۱
[8] وسائل الشیعہ جلد ۱۲/ ۱۳۰ [9] وسائل الشیعہ جلد ۲/ ۱۶۵ [10] وسائل الشیعہ جلد ۵/ ۵۱۰

۱۱۔ ظالم کے دربار کا قاری ہر حرف کے بدلے دس بار لعنت کا مستحق ہے۔ اسی طرح اس قاری سے قرآن سننے والا ہر حرف کے بدلے ایک لعنت کا مستحق ہے[1]

اس بحث کی تکمیل کے لیے مندرجہ ذیل واقعہ پر توجہ ضروری ہے۔

گناہ پر پشیمان ہونیوالا صادق آل محمدؑ کی نظر میں:

علی بن حمزہ بیان فرماتے ہیں، میرا ایک دوست تھا، جو دوستدار اہل بیتؑ بھی تھا، لیکن وہ بنی امیہ کے دربار کا منشی تھا۔ اس نے مجھ سے کہا کہ میں امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں باریابی چاہتا ہوں، تم میرے لیے اجازت حاصل کرو۔ میں نے امامؑ سے اس کے لیے اجازت حاصل کرلی، وہ میرے ساتھ امامؑ کی خدمت میں پہنچا اور سلام کرکے ایک طرف بیٹھ گیا، پھر اس نے امامؑ سے کہا۔

میں آپ پر قربان جاؤں، میں بنی امیہ کا ملازم ہوں، میں نے ان کی دنیا سے بڑا مال حاصل کیا ہے۔ میں محاسبۂ خدا سے غافل تھا، اب پشیمان اور تائب ہوں، بتائیے مجھے کیا کرنا چاہیے؟

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

اگر بنی امیہ کو منشی کا کام کرنے والا کوئی نہ ملتا، تو مسلمانوں کا بیت المال ان تک نہیں پہنچتا اور بیت المال ہاتھ میں نہ ہونے کی صورت میں ان کی طرف سے دفاع کے طور پر جنگ کرنے والا کوئی نہ ہوتا، نہ ان کی جماعت میں کوئی شرکت کرتا، اس طرح وہ ہم سے ہمارا حق چھیننے سے قاصر رہ جاتے۔ اگر لوگ اپنا سرمایہ ان کے حوالے نہ کرتے، تو ان کو دولت و ثروت حاصل ہوتی اور نہ طاقت و توانائی، بس ان کے پاس جتنا مال تھا وہی رہ جاتا۔

میرے دوست نے امامؑ سے کہا۔ "جعلت فداك فهل لی من مخرج منه"

میں آپ پر قربان جاؤں کیا میرے لیے کوئی راستہ باقی ہے؟

امامؑ نے فرمایا: اگر میں تم کو تمہاری ذمہ داری کی طرف متوجہ کروں تو کیا تم اس کو انجام دو گے۔

میرے دوست نے عرض کیا جی ہاں۔

---

[1] بحار جلد ۷۵/ ۳۸۰

امام ؑ نے فرمایا جو مال تم کو اس راستے سے ملا ہے اس کی تحقیق کرو اگر ان کے مالکوں کو پہچانتے ہو اور وہ موجود ہیں تو انھیں واپس کر دو۔ اگر ان کے مالک کو نہیں پہچانتے تو ان کی طرف سے صدقہ دے دو۔ "وانا اضمن لک علی اللہ الجنۃ" میں تمہارے لیے جنت کا ضامن ہوں۔

تھوڑی دیر تک سوچنے کے بعد میرے دوست نے امام ؑ سے کہا کہ میں نے ارادہ کر لیا ہے اور میں اپنے فریضہ پر عمل کروں گا۔

علی بن حمزہ فرماتے ہیں کہ میرا دوست میرے ساتھ کوفہ پہنچا اور اس نے وہ تمام مال اپنے سے جدا کر دیا جو اس نے بنی امیہ کے دربار سے حاصل کیا تھا۔ یہاں تک کہ جو لباس اس نے پہن رکھا تھا اس کو بھی اتار دیا پھر مال کے ساتھ اس نے وہی کیا جو امام ؑ نے بتایا تھا۔ اس کے پاس کچھ بھی باقی نہیں بچا یہاں تک کہ اس کے لیے ہم نے لباس مہیا کیا۔ چند مہینوں کے بعد وہ بیمار پڑا ہم اس کی عیادت کے لیے گئے وہ عالم نزع میں تھا اس نے آنکھیں کھولیں اور ہم سے کہا:

یا علی وفالی واللہ صاحبک

اے علی، تمہارے آقا نے اپنا وعدہ پورا کیا۔

اس کے بعد وہ انتقال کر گیا۔ اس کو دفن کرنے کے بعد جب ہم امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں مدینہ پہنچے تو کسی بات کے شروع کرنے سے پہلے امام ؑ نے فرمایا:

یا علی وفینا واللہ لصاحبک

اے علی! خدا کی قسم میں نے تمہارے دوست کے ساتھ کیا ہوا وعدہ پورا کیا

میں نے امام ؑ سے عرض کیا، میری جان آپ پر قربان ہو جائے خدا کی قسم میرے دوست نے بھی مرنے سے پہلے یہی بات کہی تھی۔

د۔ گنہ گاروں کی ہمت افزائی:

گزشتہ مطالب پر غور کرنے کے بعد یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ سماج میں گناہوں کا سبب اور معاشرہ کو خراب کرنے والی چیز گنہ گاروں کی ہمت افزائی بھی ہے۔ کیوں کہ اس ہمت افزائی سے ان کو توانائی حاصل ہوتی ہے۔ دوسرے لوگ بھی اس سے مشتاق گناہ ہوتے ہیں بلکہ گناہوں پر حرص کرنے لگتے ہیں۔

۱۔ حضرت علیؑ نے مالک اشتر کو جو خط لکھا تھا اس میں آپؑ نے مالک سے فرمایا:

ولا یکونن المحسن والمسیٔ عندک بمنزلۃ سواء ۔۔۔۔۔

تمہاری نظر میں نیکوکار اور بدکار دونوں برابر نہ ہو جائیں۔

کیوں کہ برابر کے برتاؤ کی بنا پر نیکیوں سے نیکوکار افراد کو رغبت نہیں رہ جائے گی اور بدکاروں کو شہ ملے گی اور ان کی ہمتیں بڑھ جائیں گی۔ ان میں سے ہر ایک کے ساتھ ان کے عمل کے اعتبار سے سلوک کرنا[1]

۲۔ آپؑ نے فرمایا:

الثناء باکثر من الاستحقاق ملق والتقصیر من الاستحقاق عیٌّ او حسد

استحقاق سے زیادہ تعریف، چاپلوسی ہے۔ اور استحقاق سے کم تعریف یا بے چارگی ہے یا حسد ہے[2]

۳۔ رسول اکرمؐ نے فرمایا:

اذا مدح الفاجر اهتز العرش و غضب الرّبّ

جب گنہ گار انسان کی مدح کی جاتی ہے تو عرش خدا کانپ اٹھتا ہے اور خدا غضب ناک ہوتا ہے[3]

اگر کسی گنہ گار کی مدح کی جائے تو اس سے وہ معاشرہ میں بڑا بن جاتا ہے اور ایسے انسان کا بڑا بن جانا کسی طاقت کے بڑا بن جانے کے مرادف ہے۔ اس طرح خدا کی وحدانیت کو کمزور بنا دیا جاتا ہے اور توحید لرزنے لگتی ہے، یا وہ نظام لرز اٹھتا ہے جو پوری دنیا پر حکمراں ہے۔ وہ نظام لرز جاتا ہے جو انسان کے دماغ کی طرح عالم ہستی پر حکومت کرتا ہے۔ کیوں کہ گنہ گار کی مدح و ستائش عالم ہستی پر حکومت کرنے والے نظام کے خلاف ہے اور وہ نظام 'خدائی' نظام ہے۔

۴۔ رسول خداؐ نے فرمایا:

احثوا فی وجوہ المدّاحین التّراب

جو گنہ گاروں کی مدح کریں ان کے چہرہ پر خاک ڈال دو[4]

---

[1] نہج البلاغہ خطبہ ۵۳ [2] نہج البلاغہ حکمت ۳۴۰

[3] سفینۃ البحار جلد ۲/ ۵۲۹ [4] وسائل الشیعہ جلد ۲/ ۱۳۲

ترجمہ:

ایمان لانے والو! ان باتوں کے متعلق دریافت نہ کرو کہ اگر وہ تم پر ظاہر کردی جائیں تو تم کو ناگوار گزریں، اور اگر ایسی باتیں قرآن نازل ہوتے وقت پوچھو گے تو وہ تمہیں بتادی جائیں گی۔ اللہ نے ان باتوں کو معاف کردیا۔ اللہ بخشنے والا، علم والا ہے۔ ۱۰۱۔ تم سے پہلے بھی قوموں نے ایسے سوالات کیے تھے، پھر انہیں کی وجہ سے کافر ہو گئے۔ ۱۰۲۔

تفسیر:

۱۰۱۔ یاایھا الذین امنوا لا تسئلوا......

۱۰۲۔ قد سألها قوم.......

آداب گفتگو:

کوئی بات سمجھنے سمجھانے کا ایک ذریعہ سوال و جواب بھی ہے۔ تجربے کے مطابق معلومات حاصل کرنے میں یہ طریقہ بہت اچھا ہے۔ مکالمے یا سوال و جواب میں سائل کو مسئول کی حیثیت، شخصیت، ذمےداری اور ماحول سے باخبر ہونا چاہیے۔ سوال کا مقصد نیک اور حصول علم ہو۔ مسئول کو زِچ کرنا یا نیچا دکھانا مقصود ہو تو اسے جرح و جدل کہیں گے، مکالمہ، شاگردانہ سوال و جواب نہیں کہہ سکتے۔ یہاں قرآن حکیم ضابطۂ سوال و جواب سمجھا رہا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضور مجمع مخلوط رہا کرتا تھا اپنے، غیر اور منافق بھی، کوئی فیض اٹھانے کی نیت سے آتا، کوئی محفل بگاڑنے۔ کوئی شور کرتا، کوئی آوازے کستا تھا۔ سورۂ نسا، ۴۶ میں ایک حوالہ گزر چکا ہے، یہاں بھی اسی قسم کا ایک ہدایت آفریں تذکرہ ہے اور سورۃ الحجرات میں مفصّل بیان آئے گا۔

ایک حکیمانہ اصول یہ ہے کہ آدمی ایسا سوال نہ کرے جس کے جواب کی برداشت نہ ہو، ایسا سوال کہ اگر اس کا جواب دیا جائے تو سائل اس ذمے داری، قانون یا واقعے کی جوابی تفصیل سے گھبرا جائے یا اصل حکم و واقعہ سن کر دکھ ہو۔ خاص کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جیسے صاحبِ منصب و وحی سے بے سوچے

۵- امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا:

امرنا رسول الله ان نلقى، اهل المعاصى بوجوه مكفهرة

رسول خدا نے ہم کو حکم دیا کہ ہم گنہ گاروں سے غضب آلود انداز سے ملیں[۱]

۶- امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا۔ خدا نے دو فرشتوں کو ایک شہر میں بھیجا تاکہ وہاں والوں پر اس شہر کو الٹ دیں، جب وہ دونوں فرشتے اس شہر میں پہنچے تو انھوں نے ایک شخص کو خدا سے دعا، تضرع وزاری اور راز و نیاز کرتے دیکھا..... ان میں سے ایک فرشتہ خدا کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور اس نے کہا پالنے والے میں نے وہاں جا کر تیرے بندے کو دیکھا وہ دعا اور راز و نیاز میں مشغول تھا۔ آواز آئی

امض لما امرتك به فان ذا رجل لم يتمعر وجهه غيظالى قط[۲]

میں نے تم کو جو حکم دیا ہے اس پر عمل کرو کیوں کہ اس شخص نے میری خاطر (گنہ گار کے لیے) اظہار ناراضگی نہیں کیا تھا۔

اس طرح وہ عابد بھی اس عمومی بلا کا شکار ہو گیا کیوں کہ وہ گنہ گار کے ساتھ خوش اخلاقی کا مظاہرہ کر کے اس کی ترغیب کا باعث بنا تھا۔

مذکورہ بالا موضوع نہی عن المنکر کا ایک حصہ ہے ہم چوتھے حصہ میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو بیان کریں گے۔ اگر ان دونوں فرائض پر عمل کیا جائے تو معاشرہ کو سدھارنے اور پاک کرنے میں بڑی مدد ملے گی۔

۲- گمراہ قائد:

سماجی گناہ کے اسباب، گمراہ رہبر اور نالائق حکام بھی ہیں، چنانچہ قوانین نافذ کرنے والے غیر دیندار اور فاسد افراد بھی گناہوں کے پھیلانے میں معاون ثابت ہوتے ہیں۔

---

[۱] وسائل جلد ۱۱ / ۴۱۳ [۲] وسائل جلد ۱۱ / ۴۱۳۔ ۴۱۲ ۔ گنہ گاروں کے ساتھ ہر جگہ اس طرح کا سلوک نہیں ہوتا فقہ اسلامی میں جن کے لیے موارد معین ہیں ان ہی جگہوں سے یہ حکم مخصوص ہے۔

سورۂ اسراء کی آیت ۱٦ میں ارشاد ہوتا ہے:

واذا اردنا ان نھلک قریۃ امرنا مترفیھا ففسقوا فیھا فحق علیھا القول فدمرناھا تدمیرًا

اور جب ہم کسی بستی کو ہلاک کرنا چاہتے ہیں تو پہلے اپنے احکام صاحبان ثروت وغرور (مترفین) کے سامنے بیان کرتے ہیں جب وہ مخالفت کر کے عذاب کے مستحق ہو جاتے ہیں تو ہم ان کو تباہ و برباد کر دیتے ہیں۔

اس آیت سے پتہ چلتا ہے کہ معاشرہ کی خرابی کا زیادہ تر باعث وہ سرمایہ دار ہیں جو مغرور اور خدا سے غافل ہیں۔ معاشرہ کی باگ ڈور اپنے ہاتھوں میں لے کر دوسروں کو غلط طریقہ پر استعمال کرتے ہیں لوگ ان کی پیروی کرنے لگتے ہیں اور اس طرح معاشرہ تباہی اور بربادی کے گہرے غار میں گرتا چلا جاتا ہے۔ پھر خدا کا عذاب اسے اپنی لپیٹ میں لے لیتا ہے۔

بہر حال جو افراد سماج میں نفوذ رکھتے ہیں وہ سماج پر گہرا اثر ڈالتے ہیں اسی وجہ سے کہا گیا ہے:

الناس علی دین ملوکھم

لوگ اپنے بادشاہوں کے دین پر ہوا کرتے ہیں۔

حضرت علیؑ نے فرمایا:

الناس بامرائھم اشبہ منھم بآبائھم [1]

لوگ اپنے باپ دادا سے زیادہ اپنے حکام سے مشابہ ہوتے ہیں۔

سورۂ نحل کی آیت ۱۰۰ میں ارشاد ہوتا ہے:

انما سلطانہ علی الذین یتولونہ والذین ھم بہ مشرکون

شیطان ان لوگوں پر مسلط ہوتا ہے جنھوں نے اس کو اپنی سرپرستی کے لیے چن لیا ہے اور ان لوگوں پر بھی مسلط ہو جاتا ہے جنھوں نے اطاعت و بندگی میں اس کو خدا کا شریک قرار دیا ہے۔

اس آیت سے صاف واضح ہو جاتا ہے کہ شیطانوں یا شیطان صفت قائدین کی قیادت معاشرہ کی فضا کو شرک اور گناہ سے آلودہ کر دیتی ہے ایسی پیروی سرچشمۂ فساد ہے۔

---

[1] بحار، ط قدیم جلد ۱۰/ ۱۲۹

سورۂ کہف کی آیت ۲۸ بیان کرتی ہے:

ولا تطع من اغفلنا قلبه عن ذكرنا و اتبع هواه وكان امره فرطا

تم ان لوگوں کی اطاعت نہ کرو جن کے دلوں کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا ہے یہ وہی افراد ہیں جنہوں نے ہوائے نفس کی پیروی کی ہے اور افراط کے شکار ہیں۔

بزرگوں کے اقوال:

رسول خداؐ نے فرمایا:

انما اخاف على امتى ثلاثا شحا مطاعا وهوىً متبعا واماما ضالاً

میں اپنی امت کے بارے میں تین چیزوں سے ڈرتا ہوں ۱۔ بخل جس کی پیروی ہو ۲۔ نفسانی خواہش جس کی اطاعت ہو ۳۔ گمراہ قائد[1]

مولا علیؑ نے فرمایا:

فليست تصلح الرّعيّة الّا بصلاح الولاة

عوام کی اصلاح اس وقت تک نہیں ہو سکتی جب تک حکام کی اصلاح نہ ہو جائے[2]

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

قیامت کے دن خدا تین افراد سے نہ بات کرے گا نہ ان کو پاک کرے گا اور وہ دردناک عذاب میں مبتلا ہوں گے۔

من ادّعى امامة من الله ليست له، و من جحد اماما من الله ومن زعم انّ لهما فى الاسلام نصيباً

۱۔ جو خدا کی طرف سے امام ہونے کا جھوٹا دعویٰ کرے ۲۔ جو خدا کی طرف سے معین کردہ امام کی امامت کا منکر ہو جائے ۳۔ جو اس بات کا اعتقاد رکھتا ہو کہ مذکورہ بالا دونوں گروہوں کو اسلام سے فیض حاصل ہے۔[3]

جس طرح کسی ملک کا بڑا لیڈر گمراہی کے بعد معاشرتی گناہ کا سبب بن جاتا ہے اسی طرح چھوٹے چھوٹے

---

[1] سفینۃ البحار جلد ۲ ر ۲۳، (ضلل) [2] نہج البلاغہ خطبہ ۲۱۶ [3] اصول کافی جلد ۱ ر ۳۰۲

حکام جیسے گورنر، کوتوال، پردھان یا مقامی عالم دین وغیرہ بھی اپنے نفوذ کی حد تک فاسد ہونے کے بعد معاشرہ میں خرابی پیدا کرنے کا سبب بنتے ہیں۔ ایسے افراد اگر منحرف اور گمراہ ہوتے ہیں تو سماج کو خراب کرنے اور اجاڑنے میں موثر ہوتے ہیں۔ لیکن یہی افراد صالح ہوں تو پھر معاشرہ کی اصلاح میں بھی بڑا اہم کردار ادا کرتے ہیں۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اگر میری امت میں سے دو صنفوں کے افراد بگڑ گئے تو میری امت بگڑ گئی اور اگر یہ دونوں صالح بن گئے تو امت بھی صالح بن جائے گی۔

الفقہاء والامراء

عالمان دین اور حکام [۱]

قانون کا نفاذ بھی معاشرہ کو پاک کرنے میں بڑا اہم کردار ادا کرتا ہے۔ خاص کر قوانین سزا کا نفاذ تو بہت ہی موثر ہوتا ہے۔ صالح رہنماؤں کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ قانون کو نافذ کرنے سے نہیں چوکتے۔ اسی وجہ سے رسول اکرمؐ نے فرمایا:

ساعة امام افضل من عبادة سبعين سنة و حدّ يقام لله فى الارض افضل من مطرار بعين صباحا۔

عادل رہنما کی ایک ساعت کی رہنمائی ستر سال کی عبادت سے بہتر ہے۔ اور اگر زمین پر خدا کی ایک حد جاری کی جائے تو وہ چالیس دن کی بارش سے بہتر ہے [۲]

حضرت امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام نے فرمایا:

انّ شرّ الناس عند الله امام جائر ضلّ و ضلّ به نامات سنة ماخوذة واحيا بدعة متروكة

خدا کے نزدیک بدترین انسان وہ ظالم رہبر ہیں جو خود گمراہ ہیں اور دوسروں کی گمراہی کا سبب بھی ہیں پسندیدہ اور مطلوب سنتوں کو مٹاتے ہیں اور بدعتوں کو زندہ کرتے ہیں [۳]

[۱] بحار مطبوعہ بیروت جلد ۳/۳ ۱۵۴ [۲] فروع کافی جلد ۷/ ۱۷۵ (باب التحدید حدیث ۸)

[۳] شرح نہج حدیدی جلد ۹ / ۲۶۱

درباری عالم کی زجر و توبیخ:

محمد بن مسلم زہری۔ جو ایک مشہور اور نمایاں عالم تھا جس کا شمار تابعین میں ہوتا ہے اور ۱۸۵ھ میں جس نے بغداد میں انتقال کیا اور باب التین نامی قبرستان میں دفن ہوا۔[1]

چوں کہ اس کا تعلق اس کے زمانہ کے طاغوتی حکام سے رہا اور اس نے ان کے دربار میں رفت و آمد رکھی ان کی دعوت قبول کی اس لیے امام زین العابدین علیہ السلام نے ایک خط کے ذریعہ اس کی سرزنش کی اس خط کے کچھ حصے اس طرح ہیں۔

".....طاغوتیوں نے تم کو اپنا نوکر بنا رکھا ہے، انھوں نے تمہاری علمی اور معنوی شخصیت کو مدنظر رکھتے ہوئے تمہیں اپنے دربار میں باریاب ہونے کی اجازت نہیں دی ہے، بلکہ ۱۔ ان کو تمہاری دنیا کی لالچ ہے ۲۔ سچے علماء ختم ہو چکے ہیں ۳۔ تمہارے اور ان کے اوپر جہل و نادانی غالب ہے ۴۔ تم کو اور ان کو آپس میں ملانے والی شئی حب دنیا اور منصب پرستی ہے....

تم خواب غفلت سے بیدار کیوں نہیں ہوتے، تم اپنی غلطی کو کیوں نہیں تسلیم کرتے تاکہ واضح الفاظ میں کہہ سکو کہ "پالنے والے میں نے ابھی تک ایک بار بھی دین خدا کو زندہ کرنے یا باطل کو فنا کرنے کے لیے قیام نہیں کیا" علم و دانش کی گراں بار ذمہ داری جو خدا نے تمہارے اوپر عائد کی ہے کیا اس کی حق شناسی یہی ہے؛ مجھے اس بات کا خوف ہے کہ کہیں تم اس گروہ میں سے نہ نکلنا جس کے بارے میں خدا نے فرمایا ہے۔

اضاعوا الصلوٰۃ واتبعوا الشھوات فسوف یلقون غیاً[2]

انھوں نے نماز کو ضایع کیا خواہشوں کے پیچھے بھاگے اور وہ جلد ہی گمراہی میں مبتلا نظر آئیں گے۔

اس خط کا ایک حصہ اس طرح ہے۔

اولیس بدعائه ایاك حین دعاك جعلوك قطباً اداروا بك رحیٰ مظالمھم وجسراً یعبرون علیك الیٰ بلایاھم وسلماً الیٰ ضلالتھم داعیاً الیٰ غیھم....

---

[1] الکنی والقاب جلد ۲/ ۲۰۱ [2] مریم/ ۵۹

کیا ان دعوتوں کا مقصد یہ نہیں ہے کہ وہ تم کو اپنے ظلم کا محور بنانا چاہتے ہیں، جس طرح چکی کی میخ کے گرد چکی گھومتی ہے اسی طرح یہ تمہارے سہارے اپنے ظلم کی چکی چلانا چاہتے ہیں، وہ تم کو اپنی بلاؤں کے لیے پل اور اپنی گمراہیوں اور کج رویوں کے لیے سہارا بنانا چاہتے ہیں۔ وہ یہ چاہتے ہیں کہ تم کو اپنی ضلالت کا منادی بنا دیں۔ اے دین فروختہ عالم! جو کام وہ تم سے لے رہے ہیں وہ ان کے مخصوص وزرا اور مضبوط معاونین بھی انجام نہیں دے سکتے تم ان کی بدکاریوں پر پردہ ڈال رہے ہو اور عوام و خواص کو ان کی بارگاہ میں کھینچ کر لا رہے ہو۔۔۔۔"[1]

برے دوست اور ساتھی:

جس طرح نیک احباب معاشرہ کو نیکی، سعادت اور ارتقاء کی طرف لے جانے میں مددگار ہوا کرتے ہیں۔ اسی طرح سماجی گناہوں اور خرابیوں کا ایک سبب برے دوست اور خراب ساتھی بھی ہیں۔ بہر حال علمی عملی طریقہ اور تجربہ کی رو سے یہ بات ثابت ہے کہ انسان دوست اور ساتھیوں سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ جس طرح اچھے دوست انسان کی شخصیت کو ابھارنے اور ہنسانے میں مددگار ثابت ہوتے ہیں اسی طرح برے دوست انسان کی شخصیت کو فنا کرنے کا سبب بن جاتے ہیں۔ برے انسان نوحؑ کے بیٹے کو بھی گناہ کے دلدل میں کھینچ لیتے ہیں اور خاندان نبوت میں داغ لگاتے ہیں۔ لیکن اس کے برخلاف نیک نوجوانوں کی صحبت میں چند دنوں رہ کر اصحاب کہف کا کتا بھی آدمیت کی اچھائیاں حاصل کر لیتا ہے۔

قرآن و احادیث نے اس موضوع پر تفصیل سے گفتگو کی ہے نیز آیتوں اور روایتوں میں اس سلسلہ میں کافی کچھ موجود ہے۔

برے دوستوں کے بارے میں قرآن کا بیان:

۱۔ عقبہ[2] اور ابی نامی دو افراد پیغمبر اکرمؐ کے زمانہ میں آپس میں دوست تھے۔ عقبہ جب بھی سفر سے واپس آتا تھا۔ اپنے گھر بزرگان قوم کی دعوت کرتا تھا اس نے ابھی اسلام قبول نہیں کیا تھا مگر پھر بھی اس کی یہ خواہش ہوتی تھی کہ پیغمبرؐ بھی اس کی دعوت میں شرکت فرمائیں۔

---

[1] کتاب تحف العقول (ترجمہ احمد جنتی) صفحہ ۳۱۳ سے صفحہ ۳۱۷ تک یہ خط مفصل درج ہے [2] عقبہ بن ابی معیط و ابی بن خلف

ایک دفعہ جب وہ سفر سے واپس آیا تو حسب معمول اس نے اشراف قوم کی دعوت کی پیغمبرؐ کو بھی مدعو کیا جب دسترخوان بچھ چکا تو آں حضرتؐ نے فرمایا:

"میں تمہارا کھانا اس وقت تک نہیں کھاؤں گا جب تک تم خدا کی وحدانیت اور میری رسالت کی گواہی نہ دو" عقبہ نے توحید و نبوت کی گواہی دی اور اسلام قبول کرلیا۔

جب یہ خبر عقبہ کے دوست ابی تک پہنچی تو اس نے اعتراض کیا اور کہا کہ "تم اپنے دین سے منحرف ہوگئے۔"

عقبہ نے کہا "میں اپنے دین سے منحرف نہیں ہوا ہوں، بات بس اتنی ہے کہ ایک شخص میرے دسترخوان پر بیٹھا تھا اور بغیر کھانا کھائے واپس جا رہا تھا میں نے یہ سوچ کر کہ میرے دسترخوان سے بغیر کھائے کوئی اٹھ کر نہ چلا جائے، کلمۂ شہادتین زبان پر جاری کر دیا"

ابی نے کہا "میں اس وقت تک تم سے راضی نہیں ہوں گا جب تک تم محمدؐ کے سامنے ان کی توہین نہ کرو"

عقبہ اپنے برے دوست کے دھوکہ میں آ گر مرتد ہوگیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جنگ بدر میں مشرکین کی طرف سے مسلمانوں سے جنگ کرنے آیا اور قتل کر دیا گیا، اس کا دوست ابی بھی جنگ اُحد میں مارا گیا۔ سورہ فرقان کی ۲۷ سے ۲۹ ویں آیت تک ان کا تذکرہ قرآن میں موجود ہے جس کے اندر برے دوست کے انتخاب کی مذمت موجود ہے۔

ویوم یعض الظالم علی یدیہ یقول یالیتنی اتخذت مع الرسول سبیلا۔ یاویلتی لیتنی لم اتخذ فلانا خلیلا۔ لقد اضلنی عن الذکر بعد اذجائنی وکان الشیطن للانسان خذولا۔

اس دن کو یاد کرو جس دن ظالم حسرت و یاس کی شدت سے اپنے ہاتھ کاٹیں گے اور کہیں گے کہ اے کاش ہم نے رسول خدا کا راستہ اختیار کیا ہوتا۔ وائے ہو ہم پر! ہم نے فلاں کو اپنا دوست نہ بنایا ہوتا۔ علم و آگہی ہم تک آنے کے بعد اس نے ہم کو گمراہ کردیا۔ شیطان ہمیشہ انسان کو جادۂ حق سے جدا کرتا رہتا ہے۔

ان آیات نے عقبہ اور اس جیسے افراد کے قیامت کے دن کے حالات بیان کیے ان کی یہ حالت برے دوست کے انتخاب کی بنا پر تھی اور یہی انتخاب ان کے انحراف اور بدبختی کا باعث بنا۔

تیسری آیت نے بتایا کہ برا دوست انسان کی گمراہی کا سبب بنتا ہے، برے دوست کا انتخاب شیطان کی پیروی کی بنا پر ہوا کرتا ہے اور وہی انسان کو اس ذریعے بارگاہ الٰہی سے دور کر دیتا ہے۔ درحقیقت یہ آیتیں

انسان کو شیطان کے شر سے محفوظ رہنے کی دعوت دیتی ہیں جو اسے گمراہیوں کے خارزار میں گھسیٹ لیتا ہے اور اس کا انجام برا ہوتا ہے۔

۲۔ سورۂ انعام کی آیت ۶۸ میں ارشاد ہوتا ہے:

واذا رأیت الذین یخوضون فی آیاتنا فاعرض عنهم حتیٰ یخوضوا فی حدیث غیرہ۔۔۔۔

جب تم کسی کو ہماری آیتوں کا مذاق اڑاتے دیکھو تو ان سے روگردانی کرو تاکہ وہ لوگ دوسری بات کرنے لگیں۔

اس سے ملتی جلتی بات سورۂ نساء کی آیت ۱۴۰ میں بھی بیان کی گئی ہے:

"فلا تقعدوا معهم حتیٰ یخوضوا فی حدیث غیرہ انکم اذا مثلهم"

جو لوگ آیات خدا کا مذاق اڑاتے ہیں ان کے ساتھ نہ بیٹھو یہاں تک کہ وہ دوسری باتوں میں لگ جائیں۔ اگر تم ایسا نہیں کروگے تو تم بھی ان کے مثل ہو جاؤگے۔

۲۔ سورۂ مدثر کی ۴۲ سے ۴۵ ویں آیت میں جنتیوں اور دوزخیوں کا مکالمہ درج ہے۔ اہل جنت دوزخ میں جانے والوں سے پوچھیں گے کہ تم کو دوزخ میں کس چیز نے بھیجا؟ وہ کچھ باتیں بتائیں گے منجملہ ان کے یہ کہیں گے۔

وکنا نخوض مع الخائضین

ہم ہمیشہ اہل باطل کے ہم نشیں اور ہم آواز رہے تھے۔

۴۔ سورۂ فصلت کی ۲۵ ویں آیت میں برے اور بہکانے والے دوستوں کا تعارف ایک سزا کے عنوان سے کرایا گیا ہے۔

وقیضنا لهم قرناء فزینوا لهم ما بین ایدیهم وما خلفهم

ہم نے ان کے لیے برے ساتھی قرار دیئے انھوں نے سامنے سے اور پیچھے سے برائیوں کو زینت دے کر پیش کیا۔

اس آیت میں برے ہم نشینوں کے براہ راست پڑنے والے برے اثرات کا ذکر ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ برا دوست انسان کے لیے خود ایک سزا اور دردناک بلا ہے۔

برے دوست روایات کی روشنی میں:

برے دوستوں کے انتخاب سے متعلق جتنی روایتیں کتابوں میں موجود ہیں اتنی

روایتیں دوسرے موضوعات پر دیکھنے میں نہیں آتیں۔ یہاں چند روایتیں بطور نمونہ نقل کی جارہی ہیں۔

۱۔ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

"لا ینبغی للمؤمن ان یجلس مجلسا یعصی اللہ فیہ ولا یقدر علیٰ تغییرہ"

مومن کے لیے ایسی مجلس میں بیٹھنا مناسب نہیں جس میں خدا کی نافرمانی کی جارہی ہو اور وہ اس کو بدلنے پر قادر نہ ہو[1]

۲۔ رسول خداؐ نے فرمایا:

المرءُ علی دین خلیلہ وقرینہ

انسان اپنے دوست اور ہم نشین کے دین پر ہوا کرتا ہے[2]

۳۔ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

لا ینبغی للمسلم ان یؤاخی الفاجر ولا الاحمق ولا الکذّاب۔

مومن کے لیے فاجر، احمق اور جھوٹے انسان کو دوست بنانا مناسب نہیں ہے[3]

۴۔ امام محمد تقی علیہ السلام نے فرمایا:

ایاک ومصاحبۃ الشریر فانہ کالسیف المسلول یحسن منظرہ ویقبح اثرہ

برے انسانوں کی ہم نشینی سے پرہیز کرو وہ شمشیر برہنہ جیسا ہوتا ہے۔ کھلی شمشیر دیکھنے میں اچھی لگتی ہے مگر اس کی کاٹ بہت بری ہوتی ہے[4]

۵۔ سلیمان بن جعفر جعفری فرماتے ہیں کہ مجھ سے امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے فرمایا:

مالی رأیتک عند عبدالرحمٰن بن یعقوب؟

تم عبدالرحمٰن بن یعقوب کے پاس کیوں زیادہ رہتے ہو؟

میں نے کہا وہ میرے ماموں ہیں . . .

---

[1] و [2] اصول کافی جلد ۲/ ۳۰۲ - ۳۷۵ (باب مجالسۃ اہل المعاصی حدیث ۱) [3] اصول کافی [4] بحار جلد ۷۸/ ۱۵۵

امام ؑ نے فرمایا خدا کے بارے میں اس کا عقیدہ صحیح نہیں ہے۔۔۔

فاما جلست معه و ترکتنا و اما جلست معنا و ترکته

یا تو اسی کے ساتھ بیٹھا کرو اور ہمارا ساتھ چھوڑ دو یا ہمارے ساتھ بیٹھو اور اس کا ساتھ چھوڑ دو[1]

۶۔حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا:

مجالسة الاشرار توجب سوء الظنّ بالاخیار

برے لوگوں کی صحبت نیک افراد کی بدگمانی کا سبب ہے[2]

۷۔امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا:

"من قعد فی مجلس یسبّ فیه امام من الائمة، یقدر علی الانتصاب

فلم یفعل البسه الله الذل فی الدّنیا وعذّبه فی الآخرة وسلبه

صالح ما منّ به علیه من معرفتنا"

اگر کوئی شخص ایسی جگہ بیٹھے جہاں کسی امام کو برا کہا جا رہا ہو اور وہ اس مجلس سے اٹھ کر جا سکتا ہو لیکن نہ جائے تو خدا اس کو دنیا میں ذلت کا لباس پہناتا ہے اور آخرت میں اس پر عذاب کرے گا اور وہ نیکی جسے عطا کر کے خدا نے اس پر احسان کیا ہے اسے چھین لیتا ہے یعنی ہماری معرفت اس سے لے لیتا ہے[3]

۸۔حضرت علی ؑ نے فرمایا:

"من کان یؤمن بالله والیوم الآخر فلا یقوم مکان ریبة"

جو شخص اللہ اور روز قیامت کا معتقد ہے وہ تہمت والی جگہوں پر نہیں بیٹھتا[4]

۹۔ بدزبان دوست سے دوری

ابن نعمان بیان کرتے ہیں کہ امام جعفر صادق علیہ السلام کے ایک ملنے جلنے والے نے اپنے غلام سے مخاطب ہو کر کہا۔

اے زنازادے تو کہاں تھا؟!

امام نے جب اس کے منہ سے یہ الفاظ سنے تو بہت ناراض ہوئے آپ ؑ نے اپنا سر پیٹ لیا اور اس سے

---

[1] اصول کافی جلد۲/۳۷۵ وسائل جلد ۱۱/۵۰۳ [2] وسائل جلد ۱۱/۵۰۶ [3] و [4] اصول کافی جلد ۲/۳۷۹

سمجھے سوالات، وہ بھی سلسلۂ وحی کے دوران، بہت احتیاط کی بات ہے۔ مناسب یہ ہے کہ جو حکم آں حضرتؐ نے سنادیا، اس کی کرید نہ کرو، جو واقعہ جس قدر وحی نے بتادیا اس سے آگے نہ پوچھو، اللہ اور رسولؐ حقائق وضروریات سے باخبر ہیں انھوں نے جس بات پر اکتفا کی ہے اس میں ہزار مصلحتیں مضمر ہیں۔

(الف) حکم بیان نہیں ہوا، اس کا مطلب یہ ہے کہ جواب طلبی نہ ہوگی قانون سازی اور فقہ میں ایسے مقامات بہت فائدے پہنچاتے ہیں۔

(ب) بات بات کی کرید سے بات کے ایسے پہلو نکلتے ہیں جن سے پوچھنے والا شکنجے میں پھنستا اور پابندیوں میں گھرتا ہے۔

شانِ نزول:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تقریر میں ٹوکنا اور بے ربط سوال کرنا بعض لوگوں کا روزمرہ تھا۔ ایک روز آپؐ تقریر فرما رہے تھے کہ ایک صاحب نے دریافت کیا۔ "میرا اصلی باپ کون ہے؟" حضورؐ نے فرمایا جسے تم باپ کہتے ہو وہ تمہارا باپ نہیں۔ دوسرے صاحب نے بھی یہی سوال کیا، آپؐ نے جواب دیا کہ جسے تم باپ کہتے ہو وہی تمہارا باپ ہے۔

ایک مرتبہ بیانِ احکام کے دوران ایک صاحب نے کہا "کیا حج ہر سال فرض ہے؟" آپؐ نے جواب نہ دیا، انھوں نے پھر یہی سوال کیا، اس مرتبہ بھی حضورؐ خاموش رہے، تیسری مرتبہ پوچھنے پر آپؐ نے فرمایا۔ "تم پر افسوس! اگر میں ہاں کہہ دیتا تو حج ہر سال فرض ہوجاتا اور تم بجا نہ لا سکتے تھے۔ اس نافرمانی کے نتیجے میں کافر ہوجاتے۔ لہٰذا جب میں کوئی بات چھوڑ دوں تو اس کی کرید نہ کیا کرو۔ تم سے پہلے لوگوں نے پیغمبروں سے ایسی باتیں کرکے تباہی مول لی تھی اور وہ برباد ہوگئے۔ اب یاد رکھو جس کے کرنے کا حکم دوں اسے قبول کرلو اور جسے چھوڑنے کو کہوں اسے چھوڑ دو" (قمی وطوسی)

ماجعل اللہ من بحیرۃ ولاسائبۃ ولاوصیلۃ ولاحام ولکن الذین
کفروا یفترون علی اللہ الکذب، واکثرھم لایعقلون۔ واذا قیل
لھم تعالوا الیٰ ما انزل اللہ والی الرسول قالوا حسبنا ما وجدنا علیہ
اٰباءنا اولوکان اٰباؤھم لایعلمون شیئاً ولایھتدون۔

کہا تو اس کی ماں کے لیے نامناسب بات کہہ رہا ہے، میں تو تمہیں صاحب تقویٰ سمجھتا تھا مگر آج یہ ثابت ہوا کہ تقویٰ نام کی کوئی چیز تمہارے پاس نہیں ہے۔

اس نے کہا کہ اس کی ماں سندھ کی رہنے والی ہے اور بت پرست ہے۔

امامؑ نے فرمایا:

الا علمت ان لکل امۃ نکاحا تنح عنی

کیا تمہیں نہیں معلوم کہ ہر قوم میں ایک طریقہ ازدواج ہے، میری نظروں سے دور ہٹ جاؤ۔

نعمان کہتے ہیں کہ پھر میں نے امامؑ کو اس شخص کے ساتھ مرتے دم تک نہیں دیکھا۔[1]

۲۔ سماجی پسماندگی اور محرومیت:

معاشرتی گناہ کا ایک سبب سماجی محرومیت اور پسماندگی بھی ہوتی ہے جن کے کام خلوص نیت کے ساتھ اور خدا کے لیے نہیں ہوتے اور سماج ہی ان کا معیار ہوتا ہے، ان کی نظر میں سماج کی تعریف اور تکذیب وجہ عزت وذلت ہے وہ اگر سماج سے ٹھکرا دیئے جاتے ہیں تو ان کے اندر احساس کمتری پیدا ہوجاتا ہے اس احساس کے نتیجہ میں کینہ اور عداوت سے ان کا دل بھر جاتا ہے پھر وہ طرح طرح کے گناہوں میں ملوث نظر آنے لگتے ہیں۔

ایسے افراد کو اپنی پسماندگی کے اسباب کی تحقیق کرکے اصلاحی قدم اٹھانا چاہیے کہ جبران کی صورت پیدا ہوسکے اور اصلاح کے لیے سب سے بہترین صورت یہ ہے کہ ہم اپنے کاموں کی بنیاد اخلاص پر رکھیں۔

تاریخ اسلام میں بہت سارے ایسے افراد گزرے ہیں جو پسماندگی کی بنا پر پریشان حال اور درندہ صفت بن کر خطرناک گناہوں میں مبتلا ہوگئے۔

شاید اسلام میں یتیم کے احترام کی وجہ یہ ہو کہ اسے جو محرومیت ہوئی ہے اس کا تدارک ہوجائے اور احساس یتیمی اس کے دل میں پھانس بن کر کھٹکتا نہ رہ جائے۔

اسلام نے لوگوں سے مشورہ کرنے، ان کے افکار کا احترام کرنے کا حکم دیا ہے برے نام سے یاد کرنے یا ان کا مذاق اڑانے سے منع کیا ہے شاید اس کی وجہ بھی یہی ہو کہ لوگوں کے دلوں میں احساس حقارت نہ پیدا ہونے پائے۔

---

[1] وسائل الشیعہ جلد ۱۱/ ۳۳۱

دوستی کا عصمتی پیمانہ:

امام محمد باقر علیہ السلام نے اپنے ایک شاگرد جناب جابر جعفی سے فرمایا:

"واعلم یا جابر بانک لاتکون لنا ولیاً حتیٰ لو اجتمع علیک اھل مصرک وقالوا انت رجل سوء لم یحزنک ذالک، ولو قالوا انک رجل صالح لم یسرّک ذالک ولکن اعرض نفسک علیٰ مافی کتاب اللہ فان کنت سالکاً سبیلہ زاھداً فی تزھیدہ راغباً فی ترغیبہ خائفاً من تخویفہ فاثبت وابشر فانہ لایضرّک ماقیل فیک"[1]

اے جابر تم اسی صورت میں ہمارے دوست ہو جب شہر کے تمام لوگ تم کو یہ کہیں کہ تم برے انسان ہو تو تم غمگین نہ ہو اور اگر تمام افراد یہ کہیں کہ تم اچھے ہو تو ان کے کہنے سے تم خوش نہ ہونا بلکہ اپنے آپ کو قرآن کے معیار پر پرکھنا اور یہ دیکھنا کہ قرآن کے معین کردہ راستہ پر چل رہے ہو یا نہیں، تم یہ دیکھنا کہ قرآن نے جس چیز سے بے رغبتی کا اظہار کیا ہے تم بھی اس سے بیزار ہو یا نہیں، یا قرآن نے جس چیز کی رغبت دلائی ہے وہ تمہاری نظر میں بھی مرغوب ہے یا نہیں، قرآن نے جس چیز سے تم کو ڈرایا ہے تم اس سے ڈرتے ہو یا بے خوف ہو۔ اگر مطابق قرآن تمہارا عمل ہے تو اپنی جگہ پر ثابت قدم رہنا ایسی صورت میں تمہارے لیے خوش خبری کی بات یہ ہے کہ لوگ تمہارے بارے میں جو کچھ کہہ رہے ہیں اس سے تم کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔

امام محمد باقر علیہ السلام کا یہ درس بہت ہی بلند پایہ کا درس ہے اس کے لیے سخن شناس ہونے کی ضرورت ہے۔ اس بنا پر جتنا غور کیا جائے اتنے ہی بلندی کے دروازے وا ہوتے جاتے ہیں۔

(... جاری ہے)

---

[1] سفینۃ البحار جلد ۲/ ۶۹۱

میں تمہارے درمیان دو گرانقدر چیزیں (ثقلین) خدا کی کتاب اور اپنی عترت و اہلبیت چھوڑ کر
جا رہا ہوں، جب تک تم ان دونوں سے متمسک رہو گے ہرگز گمراہ نہ ہو گے۔ (پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم)

کتابِ خدا اور رسول و آلِ رسولؐ کی تعلیمات کا ترجمان

سہ ماہی پیغامِ ثقلین نئی دہلی

ہندوستان کی راجدھانی دہلی سے شائع ہونے والا آپ کا سہ ماہی موقر جریدہ "پیغامِ ثقلین"
کتابِ خدا اور اہلبیت پیغمبرؐ کی ترجمانی اپنے لیے دنیا و آخرت کی سعادت سمجھتا ہے۔ مجلہ قرآنی معلومات،
تعلیماتِ اہلبیت، ائمہ اطہار کی سیرت پر نئے زاویوں سے تجزیے، شیعہ نامور ہستیوں کے تعارف، گوشۂ معلومات
اور دیگر علمی مضامین اور سلسلوں سے آراستہ و پیراستہ

رنگین و دیدہ زیب سرورق، نفیس کاغذ، اعلیٰ کتابت و طباعت اور ۱۶۸ صفحات پر مشتمل

قیمت فی شمارہ صرف ۳۰/- روپے   سالانہ زرِ اشتراک ۱۲۰/- روپے

نوٹ: منی آرڈر کوپن پر اپنا نام اور مکمل پتہ انگریزی کے بڑے حروف میں صاف صاف تحریر فرمائیں

پتہ: پیغامِ ثقلین، بھاسکر کمپاؤنڈ، ابو الفضل انکلیو I، جامعہ نگر، نئی دہلی ۱۱۰۰۲۵

دنیوی فائدے

عذاب دنیا و آخرت کا سبب

"دنیا و آخرت کا موازنہ" کے عنوان سے اب تک دنیا اور اس کے امور سے متعلق مثبت امور کا جائزہ پیش کیا جاتا رہا ہے اب ہم دنیا کو منزل سمجھ بیٹھنے، اسی پر تکیہ کرنے اور اسی کو سب کچھ سمجھنے والوں کو خواب غفلت سے بیدار کرنے کے لیے تصویر کا دوسرا رخ پیش کر رہے ہیں۔ البتہ یہ واضح رہے کہ خود دنیا کسی بری چیز کا نام نہیں ہے بلکہ خدا، دین، مذہب، حقوق اور صلۂ رحم کے مقابلہ میں اس سے شدید محبت نگاہ پروردگار اور ائمہ معصومین علیہم السلام میں مذموم ہے۔ (ادارہ)

۱۔ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے

" ولا تعجبك اموالهم ولا اولادهم انما يريد الله ان يعذبهم بها في الحيوة الدنيا و تزهق انفسهم وهم كافرون"

ان کے مال و اولاد تم کو تعجب میں نہ ڈالیں۔ خدا یہ چاہتا ہے کہ ان چیزوں کے ذریعہ دنیا میں ان پر عذاب نازل کرے اور انھیں کفر کی حالت میں موت دے۔[1]

---

[1] توبہ / ۸۵

۲۔" ولا تمدّنّ عینیك الٰی ما متّعنا به ازواجاً منهم زهرة الحیٰوة الدّنیا لنفتنهم فیه و رزق ربّك خیر وابقٰی ۔

ہم نے کچھ لوگوں کو دنیوی زندگی کی رونق کے ساز و سامان سے مالا مال کر رکھا ہے تاکہ ہم ان کو آزمائیں۔ تم اپنی نظر ادھر نہ ڈالو تمہارے پروردگار کی روزی بہتر اور پائیدار ہے[1]

۳۔" ولا تمدّنّ عینیك الٰی ما متّعنا به ازواجاً منهم و لا تحزن علیهم واخفض جناحك للمؤمنین"

ہم نے جن لوگوں کو دنیا کے چند روزہ فائدوں سے بہرہ مند کر رکھا ہے تم ان پر اپنی نظریں نہ دوڑاؤ اور ان پر افسوس بھی نہ کرو اور مومنین سے جھک کر ملا کرو[2]

روایات :

۱۔ حضرت امیرالمومنین علی علیہ السلام نے فرمایا۔ دنیا کی چیزیں ناچیز، بے حقیقت اور خطرناک ہیں[3]

۲۔ آپ کا ہی ارشاد گرامی ہے۔ اما بعد۔ دنیا کی مثال اس سانپ کی ہے جس کا جسم نرم ہوتا ہے مگر اس کے اندر جان لیوا زہر بھرا ہوتا ہے[4]"

۳۔ حضرت علیؑ نے فرمایا۔ دنیا سانپ کی طرح ہے جس کا جسم نرم اور اس کے اندر مہلک زہر ہوتا ہے نادان انسان اس کی طرف مائل ہوتا ہے اور عقلمند اس سے بچتا ہے[5]

دنیا ناپائیدار متاع ہے :

۱۔ خداوند عالم فرماتا ہے۔"... تبتغون عرض الحیٰوة الدّنیا فعند اللّٰه مغانم کثیرة"...

تم دنیوی زندگی کی چیزیں ڈھونڈ رہے ہو، خدا کے پاس بہت مال غنیمت موجود ہے[6]

---

[1] طٰہٰ/۱۳۶ [2] حجر/۸۸ [3] نہج البلاغہ جلد ۳/۲۲۹ [4] نہج البلاغہ جلد ۳/۱۳۱
[5] نہج البلاغہ جلد ۳/۱۷۹ [6] نساء/۹۴

۲- "یاخذون عرض ھذا الادنی ویقولون سیغفرلنا"

لوگ اس پست دنیا کی متاع حاصل کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم بخش دیے جائیں گے[1]

۳- "تریدون عرض الدنیا واللہ یرید الاخرۃ"

تم دنیا کی ناپائیدار متاع چاہتے ہو جب کہ خدا آخرت چاہتا ہے[2]

۴- لوکان عرضا قریبا و سفرا قاصدا لا تبعوک

اگر کوئی مال بہت جلد ملنے والا ہوتا اور سفر کم اور بلا زحمت ہوتا تو لوگ آپ کی پیروی کر لیتے[3]

۵- ولا تکرھوا فتیاتکم علی البغاء ان اردن تحصنا لتبتغوا عرض الحیوۃ الدنیا۔

تمہاری کنیزیں اگر شوہروں کے ساتھ پاک دامنی کی زندگی گزارنا چاہتی ہیں تو دنیوی ناپائیدار مال ومتاع کی خاطر ان کو حرام کاری پر مجبور نہ کرو[4]

"عرض" ان چیزوں کو کہتے ہیں جن کو ثبات ودوام حاصل نہ ہو۔ متکلمین کے نزدیک استعارہ کے طور پر عرض اس چیز کو کہا جاتا ہے جس کو خود ثبات نہ ہو بلکہ وہ کسی ذات اور جوہر سے وابستہ ہو جیسے، رنگ اور مزہ۔

دنیا فریب کی جگہ ہے:

۱- خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے "وما الحیوۃ الدنیا الا متاع الغرور"

دنیا کی زندگی متاع وفریب کے علاوہ کچھ نہیں ہے[5]

۲- "الذین اتخذوا دینھم لھوا و لعبا و غرتھم الحیوۃ الدنیا۔

جن لوگوں نے اپنے دین کو کھیل تماشا بنا لیا اور جن کو دنیا کی زندگی نے دھوکہ دیا ہے[6]

۳- وذر الذین اتخذوا دینھم لعبا و لھوا و غرتھم الحیوۃ الدنیا

ان لوگوں کو چھوڑ دو جنھوں نے اپنے دین کو کھیل تماشا بنا لیا ہے اور دنیا کی زندگی نے جنھیں دھوکہ دیا ہے[7]

---

[1] اعراف/۱۶۹ [2] انفال/۶۷ [3] توبہ/۴۲ [4] نور/۳۳ [5] آل عمران/۱۸۵

[6] اعراف/۵۱ [7] انعام/۷

۴۔ "وغرّتھم الحیٰوۃ الدّنیا وشھدوا علیٰ انفسھم انھم کانوا کافرین"

ان کو دنیا کی زندگی نے دھوکہ دیا اور انھوں نے اپنے خلاف کافر ہونے کی گواہی دی۔[1]

۵۔ "فلا تغرّنکم الحیٰوۃ الدّنیا ولا یغرّنکم باللہ الغرور"

تم کو دنیا کی زندگی دھوکہ نہ دے اور کوئی دھوکہ دینے والا تم کو اللہ کے بارے میں دھوکہ نہ دے۔[2]

۶۔ "ذالکم بانکم اتّخذتم اٰیات اللہ ھزوا وغرّتکم الحیٰوۃ الدّنیا"

اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اس لیے ہے کہ تم نے خدا کی آیتوں کا مذاق اڑایا اور دنیا کی زندگی نے تم کو دھوکہ دیا۔[3]

۷۔ "وما الحیٰوۃ الدّنیا الّا متاع الغرور"

دنیا کی زندگی بس فریب دینے والی چیز ہے۔[4]

روایات:

۱۔ حضرت امیرالمؤمنین علیہ السلام نے دنیا کے بارے میں فرمایا۔ دنیا دھوکہ دیتی ہے، نقصان پہنچاتی ہے تلخ کام بنا دیتی ہے خدا نے دنیا کو دوستوں کے نیک اعمال کی جزا اور دشمن کی سزا کا مقام قرار دینا پسند نہیں کیا۔ اہل دنیا کی مثال ان سواروں کی ہے کہ جب کاروان ٹھہرنے کی جگہ تلاش کر لیتا ہے تو سالار کارواں کہتا ہے کہ اب کوچ کرو۔[5]

۲۔ حضرت علیؑ نے ایک شخص کو دنیا کی برائی کرتے دیکھ کر فرمایا۔ "اے دنیا کی برائی کرنے والے تم دنیا کے دھوکہ میں آ گئے اس کی نیرنگیوں نے تمہیں فریب دیا کیا تم دنیا سے دھوکہ کھانے کے بعد اس کی برائی کر رہے ہو...۔[6]

---

[1] انعام/۱۳۰ [2] لقمان/۳۳ [3] جاثیہ/۳۵ [4] حدید/۲۰ [5] نہج البلاغہ جلد ۲/۲۵۲

[6] نہج البلاغہ /۱۳۱

۳۔ آپ کا ہی ارشاد گرامی ہے۔ اے دنیا! اے دنیا! مجھ سے دور رہ۔ کیا تو میری طرف بڑھ رہی ہے، تجھے میرا اشتیاق ہے، ابھی تیرا وقت نہیں آیا ہے، افسوس! میرے علاوہ کسی اور کو دھوکہ دینا، مجھے تیری ضرورت نہیں ہے۔ میں نے تجھے تین طلاق دی ہیں جس کے بعد رجوع کرنا ممکن نہیں ہے [1]

۴۔ حضرت امیرؑ نے فرمایا۔ دھوکہ باز دنیا سے اپنے لیے ڈرتے رہنا اور کسی حال میں اس سے غافل نہ ہونا [2]

۵۔ جو دنیا میں اپنا دل لگاتا ہے اور ہمیشگی کا خواہاں ہے دنیا اسے دھوکہ دیتی ہے، جو دنیا کی طرف راغب ہے، دنیا اس کو موقع نہیں دیتی، اور جو اس پر غلبہ حاصل کرنا چاہے دنیا اس پر غالب آجاتی ہے [3]

۶۔ حضرت علیؑ نے فرمایا۔ میں تم کو دنیا کے نقصانات سے آگاہ کر رہا ہوں، بے شک دنیا شیریں اور سرسبز و شاداب ہے، اور خواہشات میں لپٹی ہوئی ہے۔۔۔ بہت دھوکہ دینے اور سخت نقصان پہنچانے والی ہے۔ [4]

۷۔ مولا علیؑ کا ارشاد ہے جس طرح گزشتہ امتوں اور صدیوں میں تمہارے اسلاف کو دنیا نے دھوکہ دیا اس طرح تم کو دھوکہ نہ دینے پائے۔۔۔۔ تم دنیا سے بچنا، کیوں کہ یہ بہت بہانہ باز، مکار اور فریب دینے والی ہے [5]

دنیا و آخرت ایک دوسرے کی ضد ہیں:

خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے۔

ان کنتن تردن الحیوۃ الدنیا و زینتھا فتعالین امتعکن و اسرحکن سراحا جمیلا و ان کنتن تردن اللہ و رسولہ والدار الآخرۃ فان اللہ اعد للمحسنات منکن اجرا عظیما

پیغمبر اکرمؐ سے خدا نے کہا کہ آپ اپنی بیویوں سے کہہ دیں "اگر تم کو دنیا کی زندگی اور زینت چاہیے تو میں تم کو اس سے مالا مال کر کے طلاق دے دوں تاکہ تم آزاد ہو جاؤ، اور اگر تمہیں خدا، رسول اور آخرت

---

[1] و [2] نہج البلاغہ جلد ۱۶۶/ - ۱۲۲ [3] و [4] نہج البلاغہ جلد ۲/ ۱۱۹ - جلد ۱/ ۲۱۶ [5] نہج البلاغہ جلد ۲/ ۲۵۱

چاہیے تو خدا نے تم میں سے نیکو کاروں کے لیے اجر عظیم مہیا کر رکھا ہے[1]

۲- "من کان یرید حرث الدنیا نؤته منها وماله فی الآخرة من نصیب"

جو شخص (صرف) دنیا کی کھیتی میں سے حصہ چاہتا ہے ہم اس کو دے دیتے ہیں اور آخرت میں اس کا کوئی حصہ نہیں ہے[2]

۳- "ولولا ان یکون الناس امة واحدة لجعلنا لمن یکفر بالرحمٰن لبیوتهم سقفا من فضة ومعارج علیها یظهرون ولبیوتهم ابوابا وسررا علیها یتکؤن وزخرفا وان کل ذالك لما متاع الحیوة الدنیا والاخرة عند ربك للمتقین"

اگر یہ بات نہ ہوتی کہ سب لوگ ایک ہی طریقہ کے ہو جائیں گے تو ہم ان کے لیے جو خدا کا انکار کرتے ہیں۔ ان کے گھروں کی چھتیں اور وہی سیڑھیاں جن پر وہ چڑھتے ہیں اور ان کے گھروں کے دروازے اور وہ تخت جن پر تکیے لگاتے ہیں چاندی کے بنا دیتے اور یہ سب ساز و سامان بس دنیوی زندگی کے چند روزہ ساز و سامان ہیں اور آخرت کا سامان تو تمہارے پروردگار کے یہاں خاص پرہیزگاروں کے لیے ہے[3]

روایات:

۱۔ حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام نے فرمایا۔ دنیا کی تلخی آخرت کی شیرینی اور دنیا کی شیرینی آخرت کی تلخی ہے[4]

۲۔ آپ نے فرمایا۔ بے شک دنیا اور آخرت ایک دوسرے کے دشمن اور دو راستے ہیں، جو دنیا کو پسند کرتا ہے وہ آخرت کو دشمن رکھتا ہے، ان دونوں میں مشرق و مغرب جیسا فاصلہ ہے، مشرق و مغرب کے راہرو کبھی ایک دوسرے کے قریب نہیں ہوتے۔ ان کی مثال سرتن کی سی ہے، دو سوتنوں میں آپس میں کبھی نہیں پٹتی[5]

---

[1] احزاب/۲۹ [2] شوریٰ/۲۰ [3] زخرف/۳۵ [4] [5] شرح نہج البلاغہ جلد ۲/۲۰۶ - ۱۶۳

۳۔ حضرت علیؑ ہی نے فرمایا۔ فرزند آخرت بنو، فرزند دنیا نہ بنو۔ بے شک ہر بچہ قیامت کے دن اپنی ماں سے ملحق کیا جائے گا۔[1]

۴۔ امام محمد باقر علیہ السلام نے چوتھے امام حضرت زین العابدین علیہ السلام سے نقل کیا۔ دنیا نے کوچ کیا اور پیٹھ پھیر لی لیکن آخرت نے کوچ کیا تو سامنے آگئی۔ دنیا و آخرت دونوں کے فرزند ہیں۔ لہٰذا تم فرزند آخرت بنا، فرزند دنیا نہ بنا، دنیا کے سلسلہ میں زہد اختیار کرو اور آخرت میں رغبت پیدا کرو، آگاہ ہو جاؤ کہ زاہدوں نے زمین کو دسترخوان، خاک کو بستر اور پانی کو عطر قرار دیا اور دنیا سے بڑی تیزی سے نکل گئے۔[2]

۵۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، دنیا طلب کرنے میں گھاٹا اور آخرت طلب کرنے میں دنیا میں گھاٹا ہے۔ لہٰذا دنیا ہی میں نقصان اٹھالو دنیا کا نقصان بہتر ہے۔[3]

۶۔ رسول مقبولؐ نے فرمایا۔ میں اپنی امت کے لیے جس بات سے سب سے زیادہ ڈرتا ہوں وہ خواہش نفس اور لمبی آرزوئیں ہیں۔ خواہش نفس حق سے روکتی ہے۔ تمناؤں کا طول آخرت کو بھلانے کا باعث ہے۔ یہ دنیا ہے جس نے پیٹھ دکھادی ہے مگر آخرت سامنے آرہی ہے۔ دنیا و آخرت دونوں کے فرزند ہیں اگر تم فرزند آخرت بننا چاہتے ہو تو فرزند دنیا نہ بنو۔[4]

۷۔ زہری نے بیان کیا کہ میں نے چوتھے امامؑ سے سنا۔۔۔ خدا کی قسم، دنیا و آخرت ترازو کے دو پلڑوں کی طرح ہیں ان میں سے جو پلڑا بھاری ہوگا وہ نیچے آجائے گا اور دوسرا اوپر چلا جائے گا۔[5]

دنیا کھیل تماشا ہے:

ارشاد رب العزت ہے:

۱۔ "وما الحیٰوۃ الدنیا الا لعب ولھو وللدار الآخرۃ خیر للذین یتقون افلا تعقلون"

دنیا کھیل تماشے کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے۔ آخرت کا گھر پرہیزگاروں کے لیے بہتر ہے کیا تم

---

[1] نہج البلاغہ جلد ۱/ ۸۹ [2] بحار الانوار جلد ۷۳/۴۳ - ۱۶۱ منقول از کافی [3] و [4] بحار جلد ۷۳/ ۹۱-۹۲ منقول از خصال

ترجمہ:

اللہ نے بحیرہ کو اور سائبہ اور وصیلہ کو اور حام کو کچھ قرار نہیں دیا۔ مگر جو لوگ کافر ہیں وہ اللہ پر جھوٹ تہمت لگاتے ہیں اور ان میں اکثر لوگ عقل نہیں رکھتے۔ ۱۰۳۔ اور جب ان سے کہا جاتا ہے۔ اللہ نے رسولؐ پر جو احکام نازل کیے ہیں ان کو مان لو، وہ کہتے ہیں۔ ہم نے جس پر اپنے باپ دادا کو پایا ہمارے لیے وہی کافی ہے۔ خواہ ان کے باپ دادا نہ کچھ جانتے ہوں اور نہ ہدایت پر ہوں۔ ۱۰۴

تفسیر:

۱۰۳۔ ماجعل اللہ من بحیرۃ ......

بحیرہ: وہ جانور جس نے پانچ بچے دیئے ہوں، اور اس کے کان میں چیرا ڈال کر چھوڑ دیا گیا ہو۔

سائبہ: دس یا بارہ بچے دینے والی وہ اونٹنی جسے محترم قرار دے کر چھوڑ دیا جائے، اس پر سواری یا باربرداری ممنوع تھی، صرف مہمان کے لیے اس کا دودھ دوہا جاتا تھا۔ سائبہ جس کے چشمے میں چاہے پانی پی سکتی تھی اور جس کی چراگاہ میں جائے وہ چرنے سے روک نہیں سکتا تھا۔

وصیلہ: وہ بکری جو سات بچے یا دو جڑواں نر و مادہ دے، ایسی بکری دیوی دیوتا کے نام نذر کر دیتے اور ذبح کرنے کو حرام جانتے تھے۔

حام: وہ نر جس کی نسل کشی سے دس نر بچے پیدا ہوئے ہوں اور اسے آزاد کر دیا گیا ہو۔

خاندانوں اور قبیلوں کے الگ الگ دستور تھے، اس لیے جانوروں کو نذر چڑھانے اور آزاد کرنے کے رواج بھی الگ الگ تھے۔ اسی وجہ سے ان لفظوں کے مفہوم میں اختلافات ملتے ہیں۔ بہر حال یہ جانور من مانے طریقوں سے چھوڑے جاتے تھے اور ان کے احترام کو اللہ کے حکم کی تعمیل قرار دیتے تھے۔ آیت نے اس قسم کے مہملات اور حیوان پرستی کی تردید کی۔ اس قسم کے کام کرنے والوں کو کافر۔ اور اللہ کے حوالے سے احترام کروانے والوں کو جھوٹا اور افترا پرداز اور خالی از عقل کہہ کر شدید مذمت کی۔

۱۰۴۔ واذا قیل لھم تعالوا ......

پتھروں اور جانوروں کے بارے میں غیر عقلی رویوں کی حالت میں جب انھیں اللہ کے بھیجے ہوئے

اس بات کو نہیں سمجھتے۔[1]

۲- اوامن اھل القریٰ ان یاتیھم باسنا ضحی وھم یلعبون

کیا بستیوں والے اس بات سے بے خوف ہیں کہ ان پر ہمارا عذاب دن دھاڑے آجائے جب کہ وہ کھیل کود میں مشغول ہوں[2]

۳- قل اللہ ثم ذرھم فی خوضھم یلعبون

تم کہو اللہ' پھر ان کو چھوڑ دو وہ کھیل میں لگے رہیں[3]

۴- وما ھٰذہ الحیٰوۃ الدنیا الا لھو ولعب وان الدار الآخرۃ

لھی الحیوان لوکانو یعلمون۔

دنیا کی یہ زندگی کھیل تماشے کے علاوہ کچھ نہیں ہے بیشک آخرت کے گھر میں حیات اور زندگی ہے۔ اگر وہ جان سکیں[4]

۵- فویل یومئذ للمکذبین الذین ھم فی خوض یلعبون

وائے ہو تکذیب کرنے والے پر۔ وہ کھیل میں مشغول ہیں[5]

۶- "اعلموا انما الحیٰوۃ الدنیا لعب و لھو و زینۃ وتفاخر بینکم

وتکاثر فی الاموال والاولاد کمثل غیث اعجب الکفار نباتہ ثم

یھیج فتراہ مصفرا ثم یکون حطاما وفی الاٰخرۃ عذاب شدید

ومغفرۃ من اللہ ورضوان وما الحیٰوۃ الدنیا الا متاع الغرور"

دنیوی زندگی صرف کھیل تماشا' ظاہری زینت وآرائش' آپس میں ایک دوسرے پر فخر کرنا' اور مال واولاد کی زیادتی کی خواہش ہے۔ اس کی مثال اس بارش کی ہے جس کی وجہ سے کسانوں کی کھیتیاں لہلہا اٹھتی ہیں اور ان کو خوش کر دیتی ہیں' پھر سوکھ جاتی ہیں تو وہ ان کو دیکھتا ہے کہ زرد ہو کر چورچور ہو گئیں اور آخرت میں کفار کے لیے سخت عذاب اور مومنوں کے لیے خدا کی طرف سے بخشش اور خوشنودی ہے۔ دنیوی زندگی بس فریب کا ساز و سامان ہے[6]

۷- فذرھم یخوضوا ویلعبوا حتی یلاقوا یومھم الذی یوعدون

ان کو چھوڑ دو۔ تاکہ مشغول رہیں اور کھیل میں لگے رہیں یہاں تک کہ اس دن کا سامنا ہو جس دن کا

---

[1] انعام/۳۲ [2] اعراف/۹۸ [3] انعام/۹۱ [4] عنکبوت/۶۴ [5] طور/۱۲ [6] حدید/۱۹

ان سے وعدہ کیا گیا ہے۔[1]

مذکورہ آیتوں میں لہو اور لعب دو الفاظ استعمال ہوئے "لہو" اس چیز کو کہتے ہیں جو انسان کو مشغول اور اہم چیز سے غافل کر دے۔ دنیا کی زندگی لہو ہے کیوں کہ یہ اپنی ناپایدار آرائشوں کے ذریعہ انسان کو پائیدار اور جاویدانہ زندگی سے غافل کر دیتی ہے۔

"لعب" خیالی نظم و ہم آہنگی والے عمل کو لعب کہا جاتا ہے مثلاً بچوں کا کھیل، دنیا کی زندگی "لعب" ہے کیوں کہ یہ فانی اور بچوں کے کھیل کی طرح جلدی سے ختم ہو جانے والی چیز ہے۔ جس طرح بچے کسی کھیل کے لیے جمع ہوتے ہیں اور تھوڑی دیر تک بہت شوق سے کھیلتے ہیں پھر ایک دوسرے سے جدا ہو جاتے ہیں اور کھیل ختم ہو جاتا ہے۔

دنیا کی عام چیزیں جن پر رقابت کی جاتی ہے ظالم جس پر ایک دوسرے سے جنگ کرتے ہیں، مثلاً اولاد، مال، عورت، ریاست، فرماں روائی وغیرہ یہ ساری چیزیں خیالی اور سراب کی مانند ہیں کیوں کہ انسان ان چیزوں کا حقیقی مالک نہیں بنتا۔

اس کے برخلاف آخرت کی وہ زندگی جو انسان اپنے کمال واقعی اور ایمان و عمل صالح کے ذریعہ حاصل کرتا ہے، ایک باارزش زندگی ہے اس زندگی میں لہو اور غفلت کا گزر نہیں ہے۔ ایک حقیقی زندگی ہے جہاں کھیل تماشا نہیں ہے وہاں فنا کے بغیر بقا، رنج کے بغیر لذت اور بدبختی و شقاوت کے بغیر سعادت موجود ہے۔ آخرت وہ جگہ ہے جہاں حیات کا حقیقی مفہوم واضح ہوگا۔[2]

عالم ربانی شیخ بہائی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ آیۂ کریمہ میں پانچ خصلتیں ایسی بیان ہوئی ہیں جو علی الترتیب سن و سال کے اعتبار سے حیات انسانی کے مختلف مراحل پر صادق آتی ہیں۔ انسان بچپنے میں کھیل کود کا شوق رکھتا ہے، جب جوانی کے مرحلے میں قدم رکھتا ہے لہو میں مشغول ہو جاتا ہے، جب اس کی عمر پختہ ہوتی ہے تو آرائش، لباس، سواری، گھر اور جمال کا شیدا بن جاتا ہے، بزرگی کے عالم میں حسب و نسب پر فخر کرتا ہے اور جب بوڑھا ہو جاتا ہے تو مال و اولاد کی کثرت پر نگاہ رہتی ہے۔[3]

---

[1] معارج / ۳۲ [2] تفسیر المیزان جلد ۶ / ۱۵۶ [3] تفسیر المیزان جلد ۱۹ / ۱۸۸

دنیا، آخرت سے روگردانی کا سبب ہے:

خداوند عالم قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے:

۱۔ واذا انعمنا علی الانسان اعرض ونا بجانبه

ہم نے جب انسان کو نعمت دے دی تو اس نے روگردانی اور کنارہ کشی اختیار کی لہ

۲۔ فلما نجاکم الی البرّ اعرضتم وکان الانسان کفورا

اور جب اس نے تم کو نجات دے کر خشکی تک پہنچا دیا تو تم نے اس سے روگردانی اختیار کی انسان بڑا ناشکرا ہے ۲ہ

۳۔ فلما اٰتاهم من فضله بخلوا به وتولوا وهم معرضون

جب اس نے اپنے فضل سے عطا کیا تو ان لوگوں نے بخل اختیار کیا اور کترا کر رخ پھیر لیا ۳ہ

۴۔ ولو رحمناهم وکشفنا مابهم من ضرّ للجّوا فی طغیانهم یعمهون

اگر ہم ان پر رحم کریں اور ان کے رنج و مشقت کو دور کر دیں پھر بھی یہ لوگ سرکشی پر اڑ جائیں گے اور بھٹکتے رہیں گے ۴ہ

۵۔ فاذا رکبوا فی الفلک دعوالله مخلصین له الدین فلما نجّاهم الی البرّ اذا هم یشرکون

جب وہ کشتی پر بیٹھے تو انھوں نے دین میں اخلاص کے ساتھ خدا کو پکارا جب خدا نے دریا سے نجات دے کر خشکی پر پہنچا دیا تو انھوں نے شرک کرنا شروع کر دیا ۵ہ

۶۔ ولو بسط الله الرزق لعباده

اگر خداوند عالم رزق کو کشادہ کر دے تو وہ زمین پر سرکشی کرنے لگیں ۶ہ

۷۔ فاعرض عمن تولّی عن ذکرنا ولم یرد الا الحیٰوة الدنیا

جو ہمارے ذکر سے منہ موڑتے ہیں اور دنیا کی زندگی کے علاوہ کچھ نہیں چاہتے تم بھی ان سے منہ پھیر لو ۷ہ

لہ و ۲ہ اسراء / ۸۳ - ۶۷ ۳ہ توبہ / ۷۶ ۴ہ مومنون / ۷۵ ۵ہ عنکبوت / ۶۵ ۶ہ شوریٰ / ۲۷ ۷ہ نجم / ۲۹

۸- انّ الانسان لیطغیٰ ان رّاٰہ استغنیٰ

بے شک انسان جب مستغنی اور بے نیاز ہو جاتا ہے تو سرکشی کرنے لگتا ہے [۱]

روایات:

۱۔حضرت امیرالمومنین علیہ السلام نے فرمایا۔ بے شک دنیا انسان کو غیر دنیا سے روکتی ہے [۲]

۲- آپ نے یہ بھی فرمایا کہ مال و متاع خواہشات کی جڑ ہے ـــــ یعنی مال انسان کو حرام خواہشوں پر ابھارتا ہے اور آخرت سے غافل کر دیتا ہے [۳]

متاع دنیا سے روگردانی بہتر ہے:

ارشاد قدرت ہے:

۱- زیّن للنّاس حبّ الشّھوات من النّسا والبنین والقناطیر المقنطرۃ من الذّھب والفضّۃ والخیل المسوّمۃ والانعام والحرث ذالک متاع الحیٰوۃ الدّنیا واللہ عندہ حسن المآب۔

مرغوب چیزوں مثلاً بیویوں، بیٹوں، سونے چاندی کے ڈھیروں، عمدہ عمدہ گھوڑوں، مویشیوں اور کھیتوں کے ساتھ لوگوں کو دلبستگی ہے حالاں کہ یہ سب دنیوی زندگی کے چند روزہ فائدے ہیں اور ہمیشہ کا اچھا ٹھکانہ بس خدا کے یہاں ہے [۴]

۲- "لا یغرّنّک تقلّب الّذین کفروا فی البلاد متاع قلیل ثمّ ماْوٰھم جھنّم"

اے رسولؐ کافروں کا شہروں شہروں اطمینان سے گھومنا کہیں دھوکے میں نہ ڈالے یہ چند روزہ فائدہ ہے پھر تو آخر کار ان کا ٹھکانہ جہنم ہے [۵]

۳- قل متاع الدّنیا قلیل والاخرۃ خیر لمن اتّقیٰ

---

[۱] علق/۷، [۲] و [۳] نہج البلاغہ جلد ۳/ ۸۸ - ۱۴، [۴] آل عمران/ ۱۴، [۵] آل عمران/ ۱۹۷

دنیوی مال، متاع بہت قلیل ہے اور آخرت ان لوگوں کے لیے ہے جنھوں نے تقویٰ اختیار کیا[1]

۴۔ فما متاع الحیٰوۃ الدنیا فی الأخرۃ الا قلیل

دنیا کی زندگی کا فائدہ آخرت کے مقابلہ میں بہت کم ہے[2]

۵۔ انما بغیکم علیٰ انفسکم متاع الحیوۃ الدنیا

تمہاری سرکشی تمہارے ہی لیے نقصان دہ ہے یہ چندروزہ دنیوی زندگی کا فائدہ ہے[3]

۶۔ فرحوا بالحیٰوۃ الدنیا وماالحیٰوۃ الدنیا فی الأخرۃ الا متاع۔

وہ لوگ دنیا کی زندگی پر خوش ہو گئے آخرت کے مقابلہ میں دنیا کی زندگی بے حقیقت ہے[4]

۷۔ متاع قلیل ولهم عذاب الیم

فائدہ تھوڑا ہے اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے[5]

۸۔ "وما اوتیتم من شئ فمتاع الحیٰوۃ الدنیا وزینتها وماعندالله خیر وابقیٰ افلا تعقلون"

جو تم کو دیا گیا ہے وہ زندگانی دنیا کا مال ومتاع اور زینت وآرائش ہے اور جو کچھ کہ خدا کے پاس ہے وہ بہتر اور زیادہ باقی رہنے والی چیز ہے کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے[6]

۹۔ "افمن وعدناہ وعدا حسنا فهو لاقیه كمن متعناہ متاع الحیٰوۃ الدنیا ثم هو یوم القیامة من المحضرین"

جن سے ہم نے نیک وعدہ کیا ہے اور وہ اس تک پہنچ کر رہیں گے کیا ان لوگوں کی طرح ہیں جن کو دنیوی زندگی کے ساز و سامان سے نوازا ہے پھر وہ قیامت میں حاضر ہونے والوں میں سے ہیں[7]

۱۰۔ "یا قوم انما هذه الحیٰوۃ الدنیا متاع"

اے میری قوم یہ دنیا کی زندگی بس ایک متاع کے علاوہ کچھ نہیں ہے[8]

۱۱۔ "فما اوتیتم من شئ فمتاع الحیٰوۃ الدنیا"

تم کو جو عطا کیا گیا ہے وہ دنیوی زندگی کی متاع ہے[9]

---

[1] نساء/ ۷۷، [2] توبہ/ ۳۸، [3] یونس/ ۲۳، [4] رعد/ ۲۶، [5] نحل/ ۱۱۷، [6] قصص/ ۶۰، [7] قصص/ ۶۱، [8] غافر/ ۳۹، [9] شوریٰ/ ۳۶

۱۲- "وان کل ذالک لما متاع الحیٰوۃ الدنیا"
یہ تمام چیزیں متاع زندگانی دنیا ہیں [1]

۱۳- "وما الحیٰوۃ الدنیا الا متاع الغرور"
دنیا کی زندگی بس دھوکہ کا ساز و سامان ہے [2]

۱۴- "ولا تشتروا بآیاتی ثمنا قلیلا وایای فاتقون"
ہماری آیتوں کو ناچیز قیمتوں پر نہ فروخت کرو اور ہمارا تقویٰ اختیار کرو [3]

۱۵- "ان الذین یشترون بعھد اللہ وایمانھم ثمنا قلیلا اولٰئک لاخلاق لھم فی الآخرۃ"
جو لوگ خدا سے کیے ہوئے عہد و قسم کو ناچیز قیمتوں پر فروخت کر دیتے ہیں، آخرت میں ان کے لیے کوئی حصہ نہیں ہے [4]

۱۶- "ولا تشتروا بآیاتی ثمنا قلیلا"
ہماری آیتوں کو ناچیز قیمتوں پر نہ فروخت کرو [5]

۱۷- "ولا تشتروا بعھد اللہ ثمنا قلیلا"
خدا کے عہد و پیمان کو ناچیز قیمتوں پر نہ فروخت کرو [6]

۱۸- "اولٰئک الذین اشتروا الحیٰوۃ الدنیا بالآخرۃ"
وہ ایسے لوگ ہیں جنھوں نے آخرت کو دنیا کی زندگی کے بدلے بیچ دیا ہے [7]

۱۹- "فلیقاتل فی سبیل اللہ الذین یشرون الحیٰوۃ الدنیا بالآخرۃ"
اللہ کے راستہ میں ان لوگوں سے جنگ کرنی چاہیے جو آخرت کو دنیا کے بدلے بیچ دیتے ہیں [8]

اس طرح کی قرآن میں اور بہت سی آیتیں ہیں جن کا مطالعہ اور ان میں غور و فکر انتہائی مفید ہے۔

---

[1] زخرف / ۳۵ — [2] حدید / ۲۰ — [3] بقرہ / ۴۱
[4] آل عمران / ۷۷ — [5] مائدہ / ۴۴ — [6] نحل / ۹۵
[7] بقرہ / ۸۵ — [8] نساء / ۷۴

روایات :

۱۔ حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام نے فرمایا تم آگاہ ہو جاؤ کہ دنیا نے بڑی تیزی سے منہ پھیر لیا اور تلچھٹ کے سوا کچھ باقی نہیں بچا ہے۔ تلچھٹ تو پھینک دی جانے والی چیز ہے [۱]

۲۔ آپ کا ہی ارشاد گرامی ہے۔ تمہارے برگزیدہ اور منتخب افراد کہاں ہیں۔۔ کیا اس کے سوا اور کچھ ہے کہ وہ اس دنیا سے کوچ کر گئے [۲]

۳۔ آپ نے یہ بھی فرمایا۔ آگاہ ہو جاؤ کہ دنیا نے اپنی جدائی کا اعلان کر دیا ہے اس کی خوبیاں بدل چکی ہیں اور یہ بہت جلد جانے والی ہے۔۔۔۔ اس ظرف کی تہ میں ابھی کچھ باقی رہ گیا ہے۔ جس طرح کسی ظرف میں ایک آدھ گھونٹ پانی باقی بچ جاتا ہے اگر اس پانی کو کوئی پیاسا پیئے تو سیراب نہیں ہو سکتا۔ [۳]

۴۔ جب آپ ایک کوڑے دان کے قریب سے گزرے تو فرمایا بخیلوں نے جو بخل کیا ہے یہ وہی ہے [۴]

۵۔ حضرت علیؑ نے فرمایا، تمہاری دنیا میرے نزدیک اس پتی سے بھی زیادہ بے حقیقت ہے جو ٹڈی اپنے منہ میں رکھ کر چباتی ہے [۵]

۶۔ نہج البلاغہ میں آپ کا یہ ارشاد بھی موجود ہے کہ جب دنیا والے دنیا کے ظاہر پر نظر ڈالتے ہیں تو اولیاء خدا اس کے باطن پر نظر رکھتے ہیں۔۔۔ اولیائے خدا نے لوگوں کو دنیا سے بہت کم فائدہ اٹھاتے دیکھا ہے [۶]

۷۔ آپ نے فرمایا۔ کیا کوئی ایسا آزاد انسان نہیں ہے جو اس چبائے ہوئے لقمہ کو اس کے اہل کے لیے چھوڑ دے [۷]

۸۔ حضرت علیؑ نے فرمایا، خدا کی قسم تمہاری یہ دنیا کوڑھی کے ہاتھ میں سور کی ہڈی سے بھی زیادہ پست ہے [۸]

۹۔ امیر المؤمنین نے فرمایا۔ اس پست دنیا کے لیے لوگ ایک دوسرے پر سبقت لے جانا چاہتے ہیں اور ایک بدبودار مردار پر کتوں کی طرح جھپٹ رہے ہیں [۹]

۱۰۔ اے خدا کے بندو! میں تم کو اس دنیا کے ترک کرنے کی وصیت کرتا ہوں جو تم کو چھوڑ دینے والی ہے

---

[۱] نہج البلاغہ جلد ۱ / ۸۹ [۲] نہج البلاغہ جلد ۲ / ۱۶ [۳] نہج البلاغہ جلد ۱ / ۹۰ [۴] نہج البلاغہ جلد ۳ / ۱۹۰ [۵] نہج البلاغہ جلد ۲ / ۲۳۵

[۶] و [۷] و [۸] نہج البلاغہ جلد ۳ / ۲۵۶ - ۲۶۱ - ۲۰۵ [۹] نہج البلاغہ جلد ۲ / ۵۰

چاہے تم اس کو ترک کرنا نہ چاہتے ہو۔ اور یہ دنیا تمہارے جسم کو بوسیدہ کر دے گی ہر چند تم اس کو نیا بنانے کی کوشش کرتے رہو۔[1]

۱۱۔ آپ نے فرمایا۔ ہم اس سرائے کے بارے میں کیا کہیں جس کی ابتدا رنج و مشقت ہے اور جس کی انتہا فنا ہے جس کے حلال میں حساب اور جس کے حرام میں عذاب ہے۔[2]

۱۲۔ گزشتہ زمانہ میں ہمارا ایک دینی بھائی تھا اس نے دنیا کو حقیر سمجھا لہٰذا میری نظروں میں اس کی عظمت بڑھ گئی۔[3]

۱۳۔ امابعد۔ دنیا نے منہ موڑ کر اپنی جدائی کا اعلان کر دیا ہے اور آخرت آنے ہی والی ہے۔[4]

۱۴۔ وہ لوگ سمجھتے ہیں کہ ہدایت اور رستگاری دنیا حاصل کرنے میں ہے۔[5]

۱۵۔ "ہم تم کو دنیا سے ڈراتے ہیں کیوں کہ یہ گزر جانے والی اور نامراد جگہ ہے۔[6]

۱۶۔ دنیا سے کنارہ کش اور آخرت کے طلب گار رہو۔[7]

۱۷۔ آگاہ ہو جاؤ جو آخرت کے لیے پیدا کیا گیا ہے وہ دنیا کو لے کر کیا کرے گا اور جس سے یہ مال بہت جلد چھن جانے والا ہے اس کو اس سے کیا سروکار، صرف اس کے حساب کا وبال باقی رہ جانے والا ہے۔[8]

۱۸۔ خدا نے ایک فرشتہ معین کر رکھا ہے جو ہر روز یہ آواز لگاتا ہے "موت کے لیے اولاد پیدا کرو، فنا کے لیے چیزوں کو جمع کرو، ویران ہونے کے لیے تعمیرات کرو۔[9]

۱۹۔ دنیا پر دنیا سے روگردانی کرنے والوں اور رغبت نہ رکھنے والوں جیسی نظر ڈالو۔[10]

۲۰۔ میں تم کو خداوند عالم سے تقویٰ کرنے کی وصیت کرتا ہوں تم دنیا نہ طلب کرو چاہے دنیا تم کو طلب کر رہی ہو۔[11]

۲۱۔ تم اس چیز کے طلب گار ہو جس کی خوبصورتی اور زیب و زینت باقی رہنے والی ہو اور جس کا گناہ تم سے دور رہنے والا ہو۔ مال تمہارے لیے نہیں رہ جائے گا اور تم بھی اس کے لیے باقی نہیں رہو گے۔[12]

۲۲۔ آگاہ ہو جاؤ جس دنیا سے تم رغبت رکھتے ہو جس کی تمنا کرتے ہو، جو تم کو کبھی ناراض اور کبھی خوش کرتی ہے وہ نہ تمہارا گھر ہے اور نہ تم اس کے لیے بلائے گئے ہو ـــ آگاہ ہو جاؤ۔ تم اس کے لیے باقی رہو گے اور نہ یہ دنیا تمہارے لیے باقی رہے گی۔[13]

۲۳۔ ہم اس دنیا کے لیے پیدا کیے گئے ہیں اور نہ اس کے لیے سعی و کوشش کرنے کا ہم کو حکم دیا گیا ہے۔ ہم کو یہاں صرف اس لیے روکا گیا ہے تاکہ ہماری آزمائش اور امتحان ہو جائے۔[14] (جاری ہے)

---

[1] و [2] نہج البلاغہ جلد ۱/ ۱۹۱-۱۲۰ [3] نہج البلاغہ جلد ۲/ ۲۲۲ [4] و [5] نہج البلاغہ جلد ۱/ ۶۶-۱۲۸ [6] و [7] و [8] نہج البلاغہ جلد ۲/ ۱۹۵-۱۵۱-۹۶ [9] نہج البلاغہ جلد ۲/ ۱۰۳ [10] نہج البلاغہ جلد ۱/ ۱۹۰ [11] و [12] نہج البلاغہ جلد ۲/ ۸۵-۴-۵ [13] نہج البلاغہ جلد ۲/ ۱۰۹ [14] نہج البلاغہ جلد ۲/ ۱۲۳

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اہل بیت ٹرسٹ" کی تازہ اور اہم پیش کش

صحیفۂ شہادت

فرمودات امام حسینؑ

حضرت امام حسین علیہ السلام کی اہم گفتگو، خطبوں اور مکتوبات کا مجموعہ جس سے عظیم الشان حسینی جہاد کا مقصد کھل کر سامنے آجاتا ہے۔

عربی متن مع اعراب، مستند کتابوں کے حوالوں کے ساتھ سلیس اردو ترجمہ

۳۰۰ صفحات پر مشتمل پہلی بار طبع ہو کر منظر عام پر آچکا ہے

شائقین اور ایجنٹ حضرات خط لکھ کر اپنی کاپیاں محفوظ کرالیں

قیمت مجلد: ۸۰ روپے
قیمت غیر مجلد: ۷۰ روپے

اہل بیت ٹرسٹ، بھاسکر کمپاؤنڈ ابوالفضل انکلیو، جامعہ نگر، اوکھلا، نئی دہلی ۲۵

فون:- ۶۹۱۵۲۰۸

ہندوستان

شہید ڈاکٹر باہنر
جناب ہاشمی رفسنجانی

برِّصغیر ہندوستان جس کا وجود تیس یا چالیس صدی قبل مسیح سے پایا گیا ہے یہ ملک مختلف عجائب وغرائب اور متضاد حیثیتوں پر مبنی ہے۔

اس ملک میں ایک طرف خرافات و واہیات فکروں پر مشتمل مختلف مذہب اور مکتب خیال پائے جاتے رہے ہیں تو دوسری طرف بہترین روحانیت اور بلند عرفانیات پر مبنی (جس کی روح توحید پرستی ہے) مکاتب خیال کا وجود بھی ہمیشہ رہا ہے[1]

اس ملک کی کافی وسیع تاریخ رہی ہے جو اپنے دامن میں فراز و نشیب، جزر و مد، ترقی و تنزلی کے مراحل لیے ہوئے ہے۔ (اسی وجہ سے صاحبان تاریخ اور اہل تحقیق نے ان کی تاریخ کو ہمیشہ حیرت کی نگاہ سے دیکھا ہے۔

اس عہد میں جب کہ اسلام کا سورج جزیرہ نمائے عرب کے تاریک افق پر روشن ہو چکا تھا۔ ہندوستان میں ترقی نیز تنزلی کے مظاہر بہت زیادہ پائے جاتے تھے۔

حکومت:

یورپ اور دوسرے ایشیائی ممالک کی طرح تاتاریوں کے وحشیانہ حملوں کا ہندوستان بھی شکار

---

[1] تاریخ تمدن ویل ڈیورنٹ کتاب اول باب دوم ص۵۰۳

قرآن اور رسولؐ کی طرف بلایا جاتا ہے۔ تو ان کا جواب ہوتا ہے" ہم نے اپنے باپ دادا کو جس راہ و روش پر دیکھا ہمارے لیے وہی ٹھیک ہے"۔ اب ان سے کون کہے۔ باپ دادا جاہل اور جنگلی لوگ تھے، علم و عقل سے بے بہرہ تھے، تم جہالت سے نکل کر علم و خرد کے دور میں آ گئے ہو۔ اسلام جیسا جامع نظام آ چکا، اس کے اصول عقل سے پرکھو اور اس کے قوانین قرآن و سنت سے حاصل کرو کہ یہی نجاتِ بشر کا راستہ ہے اور اسی میں صلاح و فلاح ہے۔

رسم کہن:

آیت میں واضح طور پر قدیم رسم و رواج اور باپ دادا کے خیالات و افکار کو آنکھیں بند کر کے مان لینے پر تنبیہ ہے۔ رسمِ کہن کی حفاظت عقل سے دور کرتی ہے، جب علم و عقل، وحی کسی چیز کے خلاف ہو تو اسے چھوڑ دو۔ عقائد و اصولِ دین کو عقل سے مانو تقلید سے نہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ لوگوں کو کتاب و سنت۔ قرآن و رسولؐ کی طرف بلایا گیا ہے۔ ان دونوں سے اسلام زندگی لیتا ہے۔

یٰاَیُّھَا الَّذِینَ اٰمَنُوا عَلَیکُم اَنفُسَکُم لَا یَضُرُّکُم مَن ضَلَّ اِذَا اھتَدَیتُم اِلَی اللّٰہِ مَرجِعُکُم جَمِیعًا فَیُنَبِّئُکُم بِمَا کُنتُم تَعمَلُونَ۔

ترجمہ:

اے ایمان لانے والو! تم اپنے نفوس سے خبردار رہو جب تم ہدایت پر ہو تو گمراہ شخص تمہیں نقصان نہیں پہنچا سکتا تم سب کو اللہ کی طرف پلٹنا ہے، وہ تم کو بتائے گا کہ تم کیا کرتے رہے ہو۔ ۱۰۵

تفسیر:

لوگ باپ دادا کی راہ چھوڑنے کا ارادہ اس لیے نہیں کرتے کہ ان کو گمراہ نہ قرار دیا جائے! یہ جہالت ہے۔ اور مسلمان ہونے کے بعد یہ سوچ بے فائدہ ہے کہ پرانے بزرگوں کا حشر کیا ہوگا؟ کلیہ یہ ہے کہ آدمی خود راہ راست پر ہو، کردار ٹھیک ہو اور اپنے نفس پر قابو ہو تو اسے غیر یا اپنے عزیز بزرگوں کے عقائد و اعمال

ہوتا رہا ہے اور ایک صدی سے زیادہ کے عرصہ تک فساد و خون ریزی میں غرق رہا اور آخر کار ہون قبائل کے ہاتھوں گپتا بادشاہت کی تہذیب و ثقافت نے دم توڑ دیا اور فسادات کی بنا پر یہ ملک حکومت کے لحاظ سے نابودی اور بربادی کے دہانے پر پہنچ گیا۔ اسلام کے ظہور کے وقت یعنی ساتویں صدی کے اوائل میں اس ملک پر اسی خاندان کے ایک بادشاہ ہرش وردھن کی مقتدر حکومت قائم ہوئی جس کا پایۂ تخت قنوج تھا۔ اور اسی زمانہ میں تقریباً ۶۱۱ء، ۶۴۰ء کے آس پاس "چالکیو" کے قبیلہ کا پولاکیشن دوم جنوبی ہندوستان میں قوی اور وسیع حکومت بنائے ہوئے تھا جس نے ایک بار "ہرش وردھن" کو شکست دی اور اسی عہد میں آسام میں "کومار" اپنی مستقل حکومت رکھتا تھا۔

ہندوستان کی ان حکومتوں کی بنیادیں، خود رائی پر قائم ہوتی تھیں لہٰذا ہرش وردھن کی حکومت کو بھی خود رائے حکومت کا نام دیا جا سکتا ہے۔ جس کے یہاں بہر حال خدمت خلق کا شدید جذبہ کارفرما تھا، جس کی وجہ یہ تھی کہ یہ حکمراں بیک وقت عالم، شاعر، ادیب اور مصنف تھا اور ذاتاً نیک، قوی الارادہ اور جاذب شخصیت کا حامل شخص تھا۔

اتفاقاً اسی کے عہد حکومت میں "یوآن چوآنگ" نامی چینی سیاح ہندوستان آیا جس نے اپنے سفرنامہ میں اس کی حکومت کے احوال تفصیل کے ساتھ قلم بند کیے ہیں۔ یہ سیاح "ہرش وردھن" کے بارے میں لکھتا ہے۔ یہ بادشاہ کبھی کام سے نہیں تھکتا تھا۔ زمانہ کے ماہ و سال اس کے نزدیک کوتاہ تھے۔ اسے خدمت خلق کے جذبہ کے تحت نیک کاموں سے اس قدر رغبت تھی کہ ان کی دھن میں یہ شخص اکثر اپنی نیند کو بھی بھول جاتا تھا اور راتوں کو بھی سوتا نہیں تھا۔[1]

مذہب:

کسی بھی ملک میں ہندوستان کی طرح مذہب حیات کا جزو نہیں تھا جیسا کہ یہاں کے لوگوں میں مذہب کا اثر ان کی زندگی کا جزو بنا ہوا تھا۔ اور معمولاً یہاں کے مروجہ مذاہب مادیات سے قریب تھے اسی وجہ سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ اہل ہندوستان کی مادی زندگی کی سعادت چوں کہ صرف اسی دنیا سے متعلق تھی اس لیے

---

[1] تاریخ تمدن ویل ڈیورنٹ کتاب اول باب دوم صفحہ ۶۵۳

مذاہب کے اثرات اچھے نہیں تھے۔ ساتویں صدی کے اوائل میں بھی سابق کی طرح مختلف ادیان و مذاہب یہاں رائج تھے، لیکن تمام مذاہب بس تین مذاہب کی فرع تھے۔ جن کی بازگشت حقیقتاً ایک ہی مذہب کی طرف ہوتی ہے۔ وہ تین مذاہب اس طرح تھے۔ ۱۔ ہندوازم ۲۔ جین ازم ۳۔ بودھ ازم۔ ان کی تعلیمات اور ان کی مقدس کتابوں نیز عقائد کا بیان ہمارے اس مقالے کی گنجائش سے خارج ہے۔

ہندوازم:

ہندوازم کے آغاز کی تاریخ اور اس کے بانی کا نام اگرچہ تاریخ میں ظاہر نہیں ہوا ہے مگر مؤرخین نے اسے ہندوستان کا قدیم ترین مذہب تصور کیا ہے۔

اس مذہب کے پیشوا برہمن ہوتے تھے۔ بودھ ازم و جین ازم کے ظہور سے پہلے ہندوازم کو ہندوستان میں غیر معمولی قدرت و نفوذ حاصل تھا لیکن ان دونوں مذاہب کا ظہور ہندوازم کے لیے رنسانس کی حیثیت رکھتا ہے۔ ان دو جدید مکاتب خصوصاً بودھ ازم جسے اشوک کی حمایت حاصل تھی کی وجہ سے ہندو مذہب اور نتیجتاً برہمن کمزور ہو گئے تھے۔ لیکن چند صدی بعد بادشاہان "گپت" (جو سب کے سب ہندو تھے) کے رفرنڈم کے ذریعہ ہندوازم کو اپنی سابقہ حیات مل گئی۔ اور اس کے بعد تو اس کا بازار ہمیشہ بارونق رہا[1]

ہندوازم کے قوانین کا منشور "دھرم شاستر" کے نام سے جانا جاتا تھا۔ اس میں اجتماعی امور سے متعلق تمام باتیں اشعار کی صورت میں لکھی گئی تھیں۔ جنھیں برہمنوں نے نظم کیا تھا۔ جو صدیوں بعد بلکہ کچھ عرصہ قبل تک قانونی حیثیت رکھتا تھا۔ قدیم ترین مجموعہ "منو" کے قانون نامہ کے نام سے جانا جاتا تھا۔ اس میں ۲۶۸۵ اشعار تھے۔ اس کے متعلق بعض اہل تاریخ نے لکھا ہے کہ یہ مجموعہ بارہ سو سال قبل از مسیح وجود میں آیا تھا۔[2]

ہندوازم کی دوسری قدیم اور مقدس کتابوں میں "پران" کا نام آتا ہے۔ اس کے اٹھارہ باب تھے جو چار لاکھ اشعار پر مشتمل تھے۔ جنھیں بہت زیادہ تقدس حاصل تھا۔ یہ تمام کتابیں پانچ سو سال قبل مسیح سے لے کر پانچ سو سال بعد مسیح کے درمیان لکھی گئی ہیں جن میں کائنات کی آفرینش کے حالات خداؤں کے نسب نامے اور دیگر خرافات بیان ہوئے ہیں۔[3]

---

[1] و [2] تاریخ تمدن ویل ڈیورنٹ از ص ۶۶۹ تا ص ۶۹۵ [3] تاریخ تمدن ویل ڈیورنٹ کتاب اول باب دوم ص ۴۳ و ص ۱۹

بودھ ازم:

ہندو ازم میں اجتماعی انحرافات اور فسادات (جن کی بنیاد برہمنوں کی ہٹ دھرمی پر تھی) کی وجہ سے افراتفری کی فضا بن گئی جو ایک انقلاب کا باعث ہوئی اور نتیجتاً چھٹی صدی (قبل مسیح) کے وسط میں بودھ ازم اور جین ازم دو مکتب خیال مذہب کی شکل میں ابھر کر سامنے آئے۔ بودھ ازم کا بانی اور قائد گوتم بدھ نامی شخص تھا۔

گوتم بدھ کی حیات میں تو اس کے (اپدیش) معارف کتاب کی صورت میں نہیں آئے تھے لیکن اس کے مرنے کے بعد اسی کے ایک شاگرد "سوب پادا" نے بدھ کے معارف لکھے اور انھیں آئین کی شکل میں نافذ کیا۔ درحقیقت بودھ ازم کے آئین کو قلم بند کرنے میں اس نے عظیم کوشش کی۔[1]

گوتم بدھ کے اقوال کے مجموعہ کا نام "تری پتیاکی" ہے جو تین جلدوں میں ہے۔ اس کے بعد دوسری کتابیں بھی لکھی گئیں انھیں بھی تقدس کا مرتبہ ملا۔ جس میں کی ایک قابل ذکر کتاب "جاتاکا" ہے اس میں گوتم بدھ کی حیات کے مختلف پہلوؤں سے بحث کی گئی ہے۔

اس کتاب میں تحریر ہے کہ گوتم بدھ تناسخ کی بنا پر اپنی وفات کے بعد پانچ سو تینتیس (۵۳۳) مرتبہ اس دنیا میں آئے اور گئے ہیں۔ بیالیس (۴۲) بار خدا کی شکل میں پچاسی بار بادشاہ کی صورت میں چوبیس (۲۴) بار شہزادہ کی شکل میں بائیس (۲۲) بار عالم کی حیثیت سے دو بار ڈاکو کی شکل میں ایک بار غلام کی حیثیت سے ایک بار جواری کی صورت میں اور بار بار گھوڑا، ہرن، گدھا، بھینس، سانپ، مینڈک اور اس قسم کے دوسرے جانوروں کی شکل و صورت میں جنم لے چکے ہیں۔[2]

گوتم بدھ کے بعد اس کے پیروکاروں میں اختلاف پیدا ہو گئے۔ معمولی اقلیت ہی اس کے خود ساختہ مسلک پر باقی رہی۔ اور اکثریت منحرف ہو گئی۔ جن میں اٹھارہ فرقوں نے جنم لیا۔ جو ایک دوسرے کے مخالف اور متحارب رہے۔[3] گوتم بدھ جس نے خود تو نبوت کا بھی دعویٰ نہیں کیا تھا۔ پیروکاروں نے رفتہ رفتہ اسے خدا کے

---

[1] تاریخ تمدن ویل ڈیورنٹ کتاب اول باب دوم ص۳۰ و ص۱۹ — [2] دینہائے بزرگ ص۵

[3] تاریخ تمدن ویل ڈیورنٹ کتاب اول باب دوم ص۵

درجہ تک پہنچا دیا۔ اور اس کی پرستش شروع کر دی۔ غرض وہ مذہب جو ہندوازم کی تجدید و اصلاح کے لیے وجود میں آیا تھا خود ہی ہزاروں اختلافات کا شکار ہو کر رہ گیا۔

جین ازم:

۵۴۰ء اور ۴۶۸ء قبل از مسیح کے درمیانی عہد میں شاہزادہ بنام "وردھمان" جس کا لقب مہاویر یعنی "بڑا شجاع" تھا، نے بدھ کی طرح ہندوازم کے مقابل میں بنام جین ازم ایک نئے مسلک و مذہب کی بنیاد ڈالی۔[1]

مہاویر اور گوتم بدھ دونوں اشخاص کا مقصد لوگوں کو "نروان" کو پہنچوانا اور اس تک پہنچانا تھا۔ اگرچہ دونوں کا مقصد مشترک تھا مگر اس کے باوجود دونوں کے امور اور مسائل میں اختلاف تھا۔ مہاویر کی تبلیغ یہ تھی کہ انسان کو سعادت اور خوش بختی اسی وقت حاصل ہو سکتی ہے جس وقت وہ اپنے جسم و روح کو سخت ریاضت میں رکھے لیکن گوتم بودھ اس امر میں اعتدال کے راستہ کا قائل تھا۔[2]

"مہاویر نروان" تک پہنچنے کے لیے ان تین چیزوں کی تبلیغ کرتا تھا: ۱۔ نیک ایمان ۲۔ اچھا علم ۳۔ اور نیک عمل، اور نیک کردار کے لیے ان پانچ امور پر عمل ضروری جانتا تھا۔ ۱۔ کسی بھی ذی روح کا کسی بھی حالت میں قتل جائز نہیں ہے، ۲۔ چوری حرام ہے ۳۔ جھوٹ برا ہے ۴۔ شراب خوری اور عیاشی برا فعل ہے۔ ۵۔ زیادہ ہوس ولالچ بری چیز ہے۔[3]

مہاویر اہنسا یعنی عدم تشدد کا اس افراط کی حد تک قائل تھا کہ کہتا تھا جس چیز کے ذریعہ جانداروں کا خون ہوتا ہو وہ ذریعہ استعمال نہ کرنا چاہیے اور وہ فعل بجا نہ لانا چاہیے۔ اسی وجہ سے کاشت کاری کو اس نے حرام قرار دیا۔ کہ اس کی وجہ سے زمین کے اندر رہنے والے کیڑے مکوڑوں کا خون ہوجاتا ہے۔ وہ کسی کو کچھ بونے یا کوئی درخت کاٹنے کی اجازت نہیں دیتا تھا۔ چولہے پر پانی کو ابالنے سے بھی اس نے منع کیا کہ اس کے ذریعہ پانی میں موجود جراثیم کا خون ہوتا ہے۔ چراغ کے لیے وہ کہتا تھا کہ اسے اس طرح پوشیدہ کر کے جلانا چاہیے کہ اس کے گرد پروانوں کا خون نہ ہو سکے۔ وہ کہتا تھا کہ راستے میں انسان کو بہت زیادہ سنبھل کر

۱؎ و ۲؎ و ۳؎ دنیا کے بزرگ ص ۵۴ و ص ۵۵ و ص ۶۳

چلنا چاہیے کہ مبادا کوئی کیڑا پیر کے نیچے دب کر مر نہ جائے۔ حیوانات، حشرات الارض یہاں تک کہ گزندگان و درندگان کے لیے اسپتال کی تعمیر کا قائل تھا۔ لیکن انسانی حیات کی اس کے نزدیک بہت زیادہ قدر و قیمت نہ تھی وہ خودکشی خصوصاً بھوکے رہ کر مرجانے کو انتہائی مقدس عمل سمجھتا تھا۔

ظاہر سی بات ہے کہ اس قسم کے قوانین (جو بنی نوع انسان کی تولید اور ترقی کے مخالف تھے) کے ذریعہ عوام کی اکثریت کا اس مذہب کی طرف جھکاؤ مشکل تھا۔ اسی وجہ سے یہ مذہب اکثریت کی رغبت سے ہمیشہ محروم رہا۔ مہاتما گاندھی کا "اہنسا" کا نعرہ دینا یہ بتاتا ہے کہ وہ کسی حد تک جین ازم کے اس عقیدہ سے متاثر تھے [1]

مگر اس کے باوجود بھی (جیسا کہ چینی سیاح "یو آنگ چوآنگ" نے اپنے سفرنامہ میں لکھا ہے) اس کے مطابق ساتویں صدی یعنی ظہور اسلام کے زمانہ میں ہندوستان میں جین ازم کے بے شمار پیروکار تھے۔ سرانجام ہندوازم نے بودھ ازم اور جین ازم کی رونق چھین لی اور خود بہت سے اصولی اور فروعی تغیرات کے ساتھ دوبارہ اہل ہندوستان کی فکروں پر چھا گیا۔ اور پھر پورے ملک کی اکثریت کا مذہب بن گیا۔ اس لیے ہم ظہور اسلام کے وقت ہندوستان کے اجتماعی قوانین و ضوابط کا ہندوازم کے تناظر میں ہی مختصر سا جائزہ لیں گے۔

خدا کا تصوّر:

تاریخ شاہد ہے۔ جب اسلام، عرب کے غیر مہذب ماحول میں توحید خالص و عمیق کو عام کر رہا تھا۔ تو اس وقت ہندوستان کے مذہبی ماحول میں خدا کا صحیح تصور اور توحید خالص عوام کی فکروں میں نہیں تھی۔ اگرچہ چند معدودے فلاسفہ اپنے ذاتی مطالعہ کی بنا پر خدا کے حقیقی وجود اور توحید خالص کے قائل رہے ہوں تو تعجب نہیں ہے۔ ہندوازم کی مقدس کتب میں کچھ کلمات و فقرات ایسے ضرور پائے جاتے تھے جن میں ان کے لکھنے والوں نے ذات واحد کی حقیقت کی طرف اشارے اور عندیے دیئے ہیں۔ لیکن توحید کا یہ صحیح عقیدہ عام طور سے ہندوؤں میں ناپید تھا۔

---

[1] تاریخ تمدن ویل ڈیورنٹ کتاب اول باب دوم ص۶۲ و ۳۰۱ اور دیباچہ بزرگ ص۶۰

ہندوازم کے قانون میں نصاریٰ کے عقیدۂ تثلیث سے مختلف ایک طرح کی تثلیث بنام "تری مورتی" کا وجود ملتا ہے۔ ہندوازم دنیا کی آفرینش اور اس کے نظام کے لیے تین اصولی مرحلوں (۱۔ آفرینش ۲۔ نظم ۳۔ فنا) کا قائل ہے اور تین ہی بڑے خداؤں ۱۔ برہما ۲۔ وشنو ۳۔ شیوا کا تصور دیا ہے یہ تین بڑے خدا مذکورہ بالا تین مرحلوں کے علی الترتیب حاکم ہیں۔

مگر ان بڑے خداؤں کی تقدیس و پرستش کے سلسلہ میں ہندوازم اس قدر پست سطح پر آگیا جس کی مثال بھی دوسرے مذاہب میں کم ملتی ہے۔ اگرچہ عملاً تمام ہندو اس پر کاربند نہ رہے ہوں۔

ویل ڈورانٹ ہندوؤں کے پانچ خداؤں کے ذکر کے ذیل میں لکھتا ہے۔ یہ پانچ خدا ایسے ہیں جو ہندوازم کے تیس۳ ملیون یعنی ۳ کروڑ خداؤں میں سے ہیں جن کے نام میں نے یہاں لکھے ہیں اور اگر تمام خداؤں کے صرف نام لکھنا چاہوں تو سو جلد کتابیں درکار ہوں گی۔ جان ناس نے اپنی کتاب "تاریخ جامع ادیان" کے ص۱۹۵ پر ہندوؤں کے خداؤں کی تعداد تین سو تیس ملیون یعنی تین ارب تین کروڑ لکھی ہے۔

ہندوازم میں حلول اور تناسخ کے عقیدہ کو خاص اہمیت دی گئی ہے۔۲ اس کے تحت ہندوؤں کا اعتقاد ہے کہ خدا کی روح بہت سے موجودات، مثلاً حیوانات، حشرات الارض میں حلول کر جاتی ہے اس کے بعد خدا کی طرح حکمرانی کرتی ہے۔ مثلاً ہاتھی، گاشا نامی خدا ہے، بندر، اژدہا اور دوسرے سانپوں خصوصاً ناگ کو ہندوؤں نے تقدس و پرستش کا درجہ دیا ہے۔

اژدہا سانپ کے اعزاز میں ہندو مندر بناتے ہیں جس کی زندہ مثال مشرقی میسور کا مشہور مندر ہے جس کے اندر بہت سے سانپوں اور اژدہا و ناگ کی پرورش کا انتظام ہے زائرین ان کے لیے غذا لاتے ہیں اور ان کے سوراخوں میں چھوڑتے ہیں۔ ناگ سانپ کے لیے ہندو جشن برپا کرتے ہیں۔ شیر، چیتے، طوطے اور چوہوں تک کی پرستش ہندوازم میں کیجاتی ہے۔ بالخصوص گائے کو چوپایوں میں سب سے زیادہ تقدس کا درجہ حاصل ہے۔

اجتماعی قوانین:

فرقہ جاتی آئین:۔ ہندوازم نے مسیح سے سات سو سال قبل ہندوستان میں افراد کو مختلف فرقوں اور طبقوں میں تقسیم کیا اور دنیا کی آفرینش کے لیے اپنے خود ساختہ عقیدہ کا اعلان کیا جسے ناقابل تغیر اور حتمی و لازمی

کہا جاتا ہے۔

ہندوازم کا عقیدہ ہے کہ برہما نے سب سے پہلے مرد (منو) اور سب سے پہلی عورت بنام شتاروپ کو خلق کیا۔ پھر منو کے ذریعہ تمام لوگوں کو چار طبقات میں پیدا کیا

۱۔ منو کے سر سے برہمنوں کو پیدا کیا

۲۔ اس کے ہاتھوں سے بادشاہوں اور پہلوانوں کو پیدا کیا

۳۔ اس کی رانوں سے صنعت گر اور پیشہ ور طبقے کو پیدا کیا

۴۔ بقیہ تمام لوگوں کو منو کے پیروں کے ذریعہ پیدا کیا[1]

جان ناس نے اپنی کتاب "تاریخ جامع ادیان" میں ان چار طبقوں کے بعد پانچویں طبقہ کا بھی ذکر کیا ہے جسے ہندوازم نے اچھوت اور نجس کا نام دیا ہے[2]

یہ ہندوستان کی قوموں کی اصل اور جڑ ہیں جن کا اوپر ذکر کیا گیا۔ ان کے علاوہ ان کی شاخوں کے طور پر تقریباً تین ہزار فرقوں کا وجود ملتا ہے۔

اور ان میں ہر ایک فرقہ اپنی کچھ خصوصیات رکھتا ہے اور ہر ایک کے علٰحدہ فرائض ہیں۔ غرض ہندوستان کے معاشرہ میں اس طبقہ بندی کی بنا پر تعصب اور انتشار ہمیشہ پایا جاتا رہا۔ یہاں جو شخص جس فرقے میں پیدا ہوتا آخر عمر تک اسی فرقے میں اسی کے عقیدہ وخیال کے اعتبار سے زندگی گزارنے پر مجبور ہوتا۔ ہاں موت کے بعد تناسخ کے ذریعہ وہ دوسرے کسی فرقہ میں جنم لے سکتا ہے جس کے ذریعہ اسے اپنے پہلے فرقہ سے نجات مل جاتی ہے[3]

طبقہ بندی کی چند مثالیں:

۔ برہمنوں کا شمار سب سے اعلیٰ طبقے میں کیا جاتا ہے اور "منو" کے قانون نامہ کے مطابق خدا کی طرف سے یہ تمام مخلوقات کے حاکم گردانے جاتے ہیں۔

---

[1] و [3] درِ ہائے بزرگ مصنفہ جوزف گر ص۳ و ص۷

[2] تاریخ جامع ادیان ص۱۰۶ مصنفہ جان ناس

دنیا کا تمام مال برہمنوں کی ملکیت ہے جن کے اوپر کوئی بھی حکومت خراج معین نہیں کر سکتی برہمن بڑے سے بڑا ظلم کرے اسے سزائے موت نہیں دی جا سکتی۔ اور کوئی شخص کسی برہمن کے ساتھ برا ارادہ رکھے تو خدا اسے سو سال تک آتش جہنم میں جلائے گا اور اگر ارادہ عمل میں بدل جائے تو خدا اسے ہزار سال جہنم میں جلائے گا۔ اگر برہمن کو غصہ آجائے تو اپنی نفرین کے ذریعہ جس کو چاہے ختم کر دے۔ اگر کوئی برہمن "رگ وید" کو مکمل حفظ کرے تو وہ اس کی مدد سے بغیر کسی وجہ کے تمام دنیا کو فنا کر سکتا ہے۔ بلکہ گران مراعات کے مقابل برہمن کے لیے کچھ سخت فرائض بھی مقرر ہیں جن سے اسے عہدہ برآ ہونا ہے۔ مثلا اس کے لیے کچھ مدت تک علم حاصل کرنا لازمی ہے جس کے بعد کچھ مدت تک اپنے جسم کو سخت ریاضت کی منزل سے گزارنا ضروری ہے جس میں ہر روز صبح وہ غسل کرے رہائش گاہ کی زمین پر ہر روز گائے کا گوبر ملے —— دوسرے طبقوں کی عورتوں سے ازدواج نہیں کر سکتا۔ گوشت، انڈا، مچھلی، لہسن نیز مولی وغیرہ سبزیوں کو نہیں کھا سکتا پانی کے علاوہ اور کوئی مشروب نہیں پی سکتا۔ اگر اس کا ہاتھ کسی اچھوت شخص سے مس ہو جائے تو کثیر پانی سے غسل کرے۔

طبقہ برہمن کے بعد دوسرے طبقوں کے خصوصیات و امتیازات بھی ایسے ہی عجیب اور ظالمانہ ہیں۔ جس کی بنا پر اچھوت کے طبقہ کی حالت تو انتہائی افسوس ناک ہے۔ جو اپنے طرز زندگی میں جانوروں سے بھی بدترین ہیں۔ اگر کسی پست طبقہ کا کوئی شخص ہندوازم کی مقدس کتاب کے اقتباسات سن لے تو اس کے کان سیسہ سے بھر دینا چاہیے۔ اگر کتاب کی تلاوت کرے تو زبان کاٹ دینا چاہیے۔ اور اگر یاد کرے تو اس کے بدن کے دو ٹکڑے کر دینا چاہیے۔ نیچے طبقے یہ حق نہیں رکھتے کہ وہ اعلیٰ طبقات کے افراد سے چوبیس قدم اور برہمنوں سے ستر قدم تک نزدیک آجائیں۔ انھیں اعلیٰ طبقے کے کنوؤں سے پانی نکالنے کا حق حاصل نہیں ہے اور برہمنوں کے مخصوص مندروں میں انھیں آنے کا بھی حق نہیں ہے۔

عورت:

ہندوستان کی قدیم اور طولانی تاریخ میں عورت کی حیثیت بھی مختلف نشیب و فراز کی حامل رہی ہے۔ ہندوازم میں عورت کا کوئی خاص درجہ اور مقام نہیں ہے۔ عورت کے بارے میں بھی ہندوازم نے بے جا

۱۔ تاریخ تمدن ویل ڈیورنٹ کتاب اول باب دوم صفحہ ۴۹۶

تفریق اور ناجائز تعصبات روا رکھے ہیں۔

منو کا قانون اساسی اگرچہ عورت سے محبت اور اس کے ساتھ حسن سلوک کا درس دیتا ہے لیکن اسی کے ساتھ ہی ساتھ انھیں مردوں سے کمتر حیثیت بھی دیتا ہے۔ جیسا کہ ایک ہندی افسانہ میں اس طرح ذکر ہوا ہے۔ دنیا کے خالق نے مرد کو اصلی اور عالی مادہ سے خلق کیا اور عورت کو مختلف مادّوں کے قطعات و جزئیات سے پیدا کیا جس کی بنا پر عورت کا مزاج متلوّن اور مذبذب ہوتا ہے۔[1]

" منو " عورت کے بارے میں کہتا ہے کہ عورت انسان کی بے آبروئی کا سرچشمہ ہے، اس کی زندگی خاکی ہے۔ عورت سے اے انسان تو بچا رہ۔ عورت کو اپنے شوہر کے حق میں اتنی وفادار ہونا چاہیے کہ وہ ہر وقت خدمت خدا کی طرح اس کی خدمت میں لگی رہے عورت تمام حیات اپنے باپ، شوہر اور بیٹے کی حاکمیت اور قیمومیت میں رہے۔ عورت اپنے شوہر کی خدمت خاضعانہ اور منکسرانہ طور پر انجام دیتی رہے جب کبھی اسے مخاطب کرے تو "خدا"۔ "سرور"۔ "سرتاج" یا مالک کے لقب سے یاد کرے۔ سوتے وقت اس کے پیروں کا بوسہ لے جو عورت اپنے شوہر کی اطاعت گزار نہیں ہوتی وہ دوسرے جنم میں گیدڑ کی شکل میں جنم لیتی ہے۔[2]

ہندوازم میں (صرف اعلیٰ طبقے کو چھوڑ کر) عورت علم و دانش سے محروم رکھی جاتی تھی۔ اور غلاموں کی طرح وہ کسی شے میں مالکیت کا حق نہیں رکھتی تھی۔ بلکہ اس کی کمائی اور مزدوری بھی شوہر یا اس کے سرپرست کی جیب میں چلی جاتی تھی کیونکہ ہندوازم میں عورت خود اپنی رائے سے ازدواج کا حق نہیں رکھتی ——— اور اپنے شوہر کی وفات کے بعد تو کسی بھی حالت میں دوسری شادی نہیں کر سکتی تھی، مگر شوہر جب چاہے اسے چھوڑ دے۔

"ستی" (یعنی بیوہ کا اپنے شوہر کی چتا پر جل جانا) کی منحوس رسم ہندوستان میں قدیم زمانے سے رائج تھی۔ اگرچہ برہمن اس منحوس رسم کی مخالفت کرتے تھے۔ اور کچھ عرصہ تک تو انھوں نے اس کے خلاف کام بھی کیا۔ انھوں نے بتایا کہ "منو" نے اس رسم کی ترغیب نہیں دی ہے۔ مگر وہ اپنی تبلیغ میں ناکام ہوئے چنانچہ آج بھی خال خال اسں منحوس رسم کا وجود ہے۔

ریاضت: ریاضت اگرچہ اپنے چند امتیازات کے اعتبار سے نفس کی بقا اور روح کی بالیدگی کے لیے مدد و معاون ثابت ہوتی ہے۔ انسانی کمالات کے حاصل کرنے کا بہترین ذریعہ ہے۔

---

[1] [2] تاریخ تمدن ویل ڈیورنٹ کتاب اول باب دوم ص۔۔۔ و ص۔۔۔

مگر ہندوستان میں اس کے سلسلے میں بے انتہا بے اعتدالی اور افراط پایا جاتا تھا کہ جس کی بنا پر اسے وحشتناک خرافاتی عمل سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ یہاں پر اس کی کچھ مثالیں پیش ہیں۔

۱۔ بعض لوگ مسلسل سورج سے آنکھ لڑاتے تھے تاکہ اندھے ہو جائیں

۲۔ گرمی کے موسم میں اپنے اطراف میں آگ روشن کیے رہتے تھے۔

۳۔ برہنہ پاؤں آگ پر چلتے تھے

۴۔ برہنہ جسم ہو کر مدتوں میخ دار تختے پر لیٹے رہتے۔

۵۔ برہنہ ہو کر کئی فرسخ لیٹ لیٹ کر راہ طے کرتے تھے

۶۔ فلاں نے اپنے کو پنجرے میں محبوس کر لیا تھا تاکہ مر جائیں

۷۔ فلاں نے اپنے کو گردن گردن تک زمین میں دفن کر لیا

۸۔ اپنے دونوں جبڑوں کو تار کے ذریعہ باندھ لیتے تھے کہ وہ متحرک نہ رہیں اور بعد میں صرف سیال غذا ہی کھاتے رہتے اور کسی سے بات نہیں کرتے تھے۔

۹۔ اپنی مٹھیوں میں گرہ لگا کر قفل چڑھا دیتے تاکہ ناخن ہتھیلی کی پشت سے نکلنے لگیں

۱۰۔ اپنے ہاتھ پیر کو اتنی طولانی مدت تک اوپر اٹھائے رکھتے کہ وہ خشک ہو جائے۔ اس کے علاوہ دسیوں قسم کی ایسی سخت اور دشوار گزار ریاضتیں ہندو سماج میں اس وقت ملتی تھیں [۱]

ہندوازم کا فلسفہ:

ہندوازم میں دیگر تمام مذاہب سے زیادہ فلسفہ عشق پر زور دیا گیا ہے اور دیگر ممالک کی بہ نسبت ہندوستان میں فلسفوں کا دخل بہت تھا۔ متعدد فلسفی مکتب خیال یہاں موجود تھے۔

ویل ڈورانٹ کے نظریہ کے مطابق تو یونان کے مشہور و معروف فلاسفہ، مثلاً افلاطون، فیثاغورث پارمیندس بھی ہندوستان کے فلسفے سے متاثر تھے۔ "ویکٹر کزن" کے بقول نسل بشر کے اس گہوارہ "ہندوستان" کو ہمیں عالی ترین فلسفہ کا خطہ سمجھنا چاہیے۔

---

[۱] تاریخ تمدن ویل ڈیورنٹ کتاب اول باب دوم ص۶۹

سے کوئی نقصان نہیں ہوگا۔ آدمی کو اپنے نفس اپنی ذات، اپنے اعتقاد و اعمال کی پوری نگہداشت کرنا چاہیے۔ ذات کی نگہداشت میں رضاء خدا کے مطابق اعمال اور تعلیم اسلام کے مطابق عقائد و افکار پر ثابت قدمی داخل ہے اور ان اعمال و افکار میں امر بالمعروف و نہی عن المنکر بھی ہے۔ "اهتديتم" کا مطلب یہ ہے کہ عقلی و عملی احکام کی طرف صحیح رہنمائی تمہیں حاصل ہو چکی، اور رہنما اصول اسلام میں امر بالمعروف و نہی عن المنکر بھی ہے۔

گمراہ اور ہدایت یافتہ، مومن اولاد اور کافر اجداد، نیک عمل اور بدکار ایک دن، حساب و کتاب کے میدان میں جمع ہوں گے وہاں دنیا میں کیے ہوئے کاموں کی فہرست ہر ایک کو مہیا کر دی جائے گی اسی کے مطابق ہر شخص کی فرداً فرداً جواب طلبی کے بعد جزا یا سزا دی جائے گی۔

يٰايها الذين امنوا شهادة بينكم اذا حضر احدكم الموت حين الوصية اثنٰن ذوا عدل منكم او اٰخرٰن من غيركم ان انتم ضربتم فى الارض فاصابتكم مصيبة الموت تحبسونهما من بعد الصلوٰة فيقسمٰن بالله ان ارتبتم لانشترى به ثمنا ولو كان ذا قربىٰ ولانكتم شهادة الله انا اذًا لمن الاٰثمين ۔ فان عثر على انهما استحقا اثما فاٰخرٰن يقومٰن مقامهما من الذين استحق عليهم الاوليٰن فيقسمٰن بالله لشهادتنا احق من شهادتهما وما اعتدينا انا اذا لمن الظٰلمين ذٰلك ادنىٰ ان ياتوا بالشهادة على وجهها او يخافوا ان ترد ايمان بعد ايمانهم واتقوا الله واسمعوا والله لايهدى القوم الفٰسقين۔

ترجمہ:

اے ایمان لانے والو! تمہارے درمیان کے گواہ، جب تم میں سے کسی کو موت آنے لگے، دو عادل تم میں سے ہونا چاہییں۔ ہاں، اگر تم سفر میں ہو اور اس حالت میں تمہیں موت آرہی ہو تو دوسرے دو آدمی تمہارے علاوہ غیروں میں سے۔ اور اگر تمہیں شک ہو، تو ان دونوں کو نماز کے بعد تک روکے رکھو، پھر یہ دونوں قسم کھا کر کہیں کہ ہم اس گواہی کے عوض کوئی قیمت نہیں لیں گے، خواہ وہ ہمارا قرابت دار ہی ہو۔ اور نہ ہم اللہ کی گواہی کو چھپاتے ہیں ایسا کریں تو اس وقت گنہگاروں میں ہوں گے۔ ۱۰۶۔ پھر اگر علم ہو جائے کہ وہ

گوتم بدھ کی گفتگو کے اقتباسات سے یہ لگتا ہے کہ اس کے عہد میں باستھ فلسفی نظریات صرف روح سے متعلق پائے جاتے تھے۔

"کینٹ کیز رلنگ" لکھتا ہے۔ ہندوستان کے مکاتب کی صرف فلسفی اصطلاحات یونانی۔ لاطینی اور جرمنی کی تمام لغات و اصطلاحات سے زیادہ ہیں[1]۔

ہندوستان کا فلسفہ زیادہ تر مذہبی علوم کا تابع تھا۔ اس کی ترقی کا دارومدار اکثر برہمنوں کے "اپدیشوں" پر تھا کہ جن میں "ویدوں" کی تفسیر اور توضیح ہوا کرتی تھی۔

تعلیم و تربیت:

تعلیم و تربیت کا اہتمام تقریباً برہمنوں کے ہاتھ میں تھا۔ سب سے پہلے اس میدان میں برہمن اپنے فرزندوں کو لائے تھے اس کے بعد بہ تدریج دوسرے طبقوں کے لوگ تعلیم حاصل کرنے لگے۔ بگر اچھوت طبقہ مکمل طور سے محروم رہا۔ تعلیم کے تین مراتب تھے ۱۔ پانچ سے آٹھ سال تک دیہات کے مدرسوں میں تعلیم ہوتی تھی ۲۔ آٹھ سے سولہ سال یا بیس سال تک معلمین گھر پہ آکر تعلیم دیا کرتے تھے ۳۔ سولہ یا بیس کے بعد یونیورسٹی میں تعلیم حاصل کی جاتی تھی۔ زیادہ تر علوم میں حفظ پر زور دیا جاتا تھا[2]۔

ہنر اور ادبیات:

تحریر اور نویسندگی کا رواج ہندوستان کی تعلیم میں زمانۂ قدیم سے ہی نہیں تھا۔ زیادہ تر علوم حفظ کیے جاتے تھے اور زیادہ تر ادبیات کی تعلیم کا تعلق زبانی تھا۔ زیادہ تر علوم ہندی زبان میں شعر اور "دوہوں" کی صورت میں تھے۔ نثر کو ہندی ادب میں زیادہ اہمیت نہیں دی جاتی تھی۔ ہندوستانیوں کے زیادہ تر مواعظ و نصائح تمثیلی ہیں اور جانوروں کی زبان میں لکھے گئے ہیں۔ "سر ولیم جونز" کے مطابق ہندوستانی اپنے کو تمثیلی حکایات شطرنج اور علم اعشاریہ کا موجد مانتے ہیں۔

ایران کے بڑے طبیب "برزویہ" نے نوشیرواں کے عہد میں ہندوستان کی معروف کتاب "کلیلہ و دمنہ"

---

۱ و ۲۔ تاریخ تمدن ویل ڈیورنٹ کتاب اول باب دوم ص۔۔۔ و ص۔۔۔

کا جو ترجمہ کیا تھا وہ منجملہ انھیں علوم پر مشتمل ہے۔

سب سے اہم اور عمدہ حیثیت ہندوستان کی مذہبی کتابوں میں رامائن اور مہابھارت کی ہے جن کا وجود ساتویں صدی میں پایا گیا ہے یعنی یہ دونوں کتابیں ساتویں صدی عیسوی میں ہندوؤں میں رائج تھیں۔ دونوں کتابیں شعریات پر مشتمل ہیں۔ مہابھارت کی ابتدا پانچ سو سال قبل مسیح "دیاس" نے کی تھی جو بعد میں برہمنوں اور ان کے ادیبوں کے ذریعہ مکمل ہوئی۔ اس میں ایک لاکھ سات ہزار دو اشعار آٹھ ابواب میں بٹے ہوئے ہیں۔ رامائن میں اڑتالیس ہزار اشعار ہیں جو تین سو سال قبل مسیح شروع ہوئی اور دو سو عیسوی میں مکمل ہوئی۔ نمائش نامہ اور ڈرامہ کا بھی ہندوستان کے ادب میں کافی دخل تھا۔ نقاشی، پیکر تراشی، مجسمہ سازی، بافندگی، منبت کاری، ظروف سازی میں ہندوستان تمام ممالک سے پیچھے نہیں رہا۔

ہمارے قارئین ہندوستان کے علوم و فنون کے متعلق مزید معلومات کے لیے انگریز مصنف ویل ڈیورنٹ کی مشہور کتاب تاریخ تمدن کا صفحہ ۹۱، سے لے کر ۸۴۳ تک مطالعہ فرمائیں۔

"اہلبیتؑ ٹرسٹ" کا گرانقدر تحفہ!!

فرمودات امام حسینؑ

کربلا کے واقعہ کو تقریباً ۱۳۰۵ سال گزر چکے ہیں اس درمیان بے شمار اہلِ تحقیق وقلم نے قیام امام حسینؑ کے مقصد کو اپنے اپنے نظریہ کے اعتبار سے اجاگر کرنے کی کوشش کی ہے اور اپنے بیگانے سبھی نے اس سلسلہ میں اپنی توانائیوں اور استعداد کا استعمال کیا ہے اور بہتوں نے اپنے خیالات کی سطح کو ہی اس عظیم قیام ونہضت کے لیے معیار قرار دیا نتیجہ میں بعض افراد حکومت کی لالچ تک کی بات کہہ بیٹھے۔

ان تمام خیالات سے قطع نظر امام حسین علیہ السلام کی نگاہ میں اس عظیم قیام کا حقیقی مقصد کیا تھا، انھوں نے کس چیز کے لیے مدینہ کی بظاہر پُرسکون زندگی پر کربلا کے مقتل کو ترجیح دیا اور اختیاری طور پر بے انتہا مصائب والام برداشت کیے۔ ان حقائق اور دقائق کو خود امام علیہ السلام سے بہتر کون بیان کرسکتا ہے اور امامؑ کا ہر شیدائی اُسے امامؑ کی زبانی سننے کا یقیناً مشتاق ہوگا۔

سرکار سید الشہداء علیہ السلام نے مدینہ سے مکہ اور مکہ سے کربلا میں عصر عاشور تک جو گفتگو فرمائی، خطبے دیے، یا خطا لکھے ——— ان کا عظیم الشان مجموعہ مع عربی متن، مستند کتابوں کے حوالوں سے مزین، سلیس اردو ترجمہ اور روشن اعراب کے ساتھ کتابت شدہ، نادر روزگار تحفہ "اہل بیت ٹرسٹ" کی طرف سے حق کے متوالوں کی خدمت میں نذر ہے۔

نوٹ: تاجران کتب کے لیے ٪۲۵ فیصد کمیشن مقرر ہے دس کاپی یا اس سے زیادہ منگوانے پر رجسٹرڈ ڈاک خرچ بذمہ ادارہ ہوگا۔

عمدہ کاغذ دیدہ زیب کتابت بہترین طباعت اور خوبصورت گیٹ اپ کے ساتھ ۳۰۰ صفحات پر مشتمل
قیمت کتاب مجلد ۸۰ روپے ——— غیر مجلد ۷۰ روپے

ناشر: اہل بیت ٹرسٹ، بھاسکر کمپاؤنڈ ابوالفضل انکلیو جامعہ نگر (اوکھلا) نئی دہلی ۲۵
فون: ۶۹۱۵۲۰۸

تاریخ اسلام کا تحقیقی جائزہ

مسلم اوّل شہ مرداں علیؑ

جناب ہاشم رسولی محلاتی

(۳)

گزشتہ قسطوں میں آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں کہ رسول خداؐ کی بعثت اور آپؐ کی نبوت پر ایمان کا اظہار کرتے وقت حضرت علیؑ کا سن کیا تھا؟ آپ کتنے برس کے تھے؟ اس سلسلہ میں مورخوں و محدثوں کے درمیان اختلاف ہے۔ چنانچہ سنی عالم "حاکم" اپنی مستدرک میں لکھتے ہیں:

ولا اعلم خلافا بین اصحاب التواریخ انّ علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ اوّلھم اسلاما وانّما اختلفوا فی بلوغہ[۱]

حضرت علی ابن ابی طالبؑ مسلم اول ہیں مورخوں کے درمیان اس سلسلہ میں کوئی اختلاف نہیں ہے، حقیقت سب ہی مانتے ہیں، اختلاف بس یہ ہے کہ آپ اس وقت بالغ تھے یا نہیں۔

معاصر مصنف، جناب ہاشم معروف حسینی نے بھی اپنی کتاب "سیرۃ المصطفےٰ" میں تحریر فرمایا ہے:

لقد اتفق المورخون والمحدثون علی انّ علیا علیہ السلام اوّل الناس اسلاما۔ ولکنّ اختلفوا فی سنّہ یوم اسلامہ۔

مورخوں اور محدثوں کا اجماع ہے کہ حضرت علی علیہ السلام نے سب سے پہلے اظہار اسلام فرمایا لیکن اختلاف یہ ہے کہ اظہار اسلام کے وقت آپ کی عمر کیا تھی؟

یہ اختلاف حضرت علیؑ کی اس منفرد فضیلت کو ہلکا کرنے کے لیے بعض لوگوں کے لیے بہانہ بن گیا اور انھوں نے یہ کہہ کر کہ اس وقت حضرت علیؑ بالغ نہ تھے آپؑ کی اس فضیلت کو نظر انداز اور غیر اہم ثابت کرنے کی

کوشش کی ہے۔

چنانچہ شیخ مفیدؒ فرماتے ہیں:

اجتمعت الامۃ علیٰ ان امیرالمومنین علیہ السلام اوّل ذکر اجاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ ولم یختلف فی ذٰلک احد من اھل العلم الا ان العثمانیہ طعنت فی ایمان امیرالمومنین علیہ السلام بصغر سنہ فی حال الاجابۃ۔[1]

مسلمانوں کا اجماع ہے کہ حضرت علیؑ رسول خداؐ کی آواز پر لبیک کہنے والے پہلے مرد ہیں۔ اس میں کسی کو کوئی اختلاف نہیں ہے۔ صرف عثمانیوں نے حضرت علیؑ کی کم سنی کو بہانہ بنا کر آپ کی اس فضیلت کو گھٹانے کی کوشش کی ہے کہ چونکہ آپ ابھی سن بلوغ کو نہیں پہنچے تھے اور آپ کا اظہار اسلام، تعقل و تفکر اور معرفت و یقین کی بنیاد پر نہ تھا بلکہ دوسروں کی دیکھا دیکھی اسلام لائے تھے۔!! جب کہ دوسرے افراد اچھی طرح غور و فکر کر کے معرفت و یقین کے ساتھ ایمان لائے تھے!!

لیکن تعصب میں غرق اِن حضرات کو ذرا اس رخ سے بھی جائزہ لینا چاہیے کہ!

اوّلاً:

یہ بات قطعی و مسلّم نہیں ہے کہ اظہار اسلام کے وقت حضرت علیؑ بالغ نہیں تھے بلکہ جیسا کہ حاکم اور یعقوبی وغیرہ کے بیانات نقل ہو چکے ہیں کہ بوقت اعلان اسلام آپ کے سن کے بارے میں اختلاف ہے حسن بصری وغیرہ سے قتادہ کی روایت کے مطابق اعلان اسلام کے وقت آپؑ کی عمر مبارک پندرہ یا سولہ سال تھی۔ منجملہ یہ دو روایتیں ملاحظہ ہوں۔

(۱) روی قتادہ عن الحسن وغیرہ قال: کان اوّل من آمن علی بن ابی طالب علیہ السلام وھو ابن خمس عشرۃ سنۃ او ست عشرۃ۔[2]

قتادہ نے حسن بصری وغیرہ سے روایت کی ہے کہ سب سے پہلے حضرت علی ابن ابی طالبؑ ایمان

---

[1] بحار الانوار جلد ۳۸/صفحہ ۳۶۳ منقول از «الفصول المختارہ»۔ [2] اس قسم کی روایتوں کے لیے بحار الانوار جلد ۳۵/صفحہ ۲۰۶، جلد ۳۸/صفحہ ۲۸۰ الصحیح من السیرۃ، جلد ا صفحہ ۲۳۰ مطالعہ فرمائیے۔ [3] بحار الانوار جلد ۳۸/صفحہ ۲۵۳

لائے اور اس وقت آپ کی عمر پندرہ یا سولہ سال تھی۔

(۲) و روی شدّاد بن اوس قال: سئلت خبّاب بن الارت عن اسلام علی بن ابی طالب علیه السلام، قال: اسلم وهو ابن خمس عشرة سنة ولقد رایته یصلّی مع النبیؐ وهو یومئذ بالغ مستحکم البلوغ [۱]

شداد بن اوس کا بیان ہے کہ میں نے خباب بن ارت سے علی ابن ابی طالبؑ کے اسلام کے متعلق دریافت کیا تو انھوں نے بتایا کہ وہ پندرہ سال کی عمر میں اسلام لائے ہیں میں نے انھیں رسول خداؐ کے ہمراہ نماز پڑھتے بھی دیکھا اس وقت وہ پوری طرح بالغ ہو چکے تھے۔

بعض دوسری روایتوں میں آپؑ کی عمر بوقت اعلان اسلام چودہ سال، بارہ سال ۱۱ سال اور دس سال بھی ذکر ہوئی ہے اگرچہ شیعہ و سنی علمار کے درمیان مشہور یہی ہے کہ آپ کی عمر دس برس تھی۔

جو لوگ حضرت علیؑ کی اس فضیلت میں کیڑے نکالنا چاہتے ہیں پہلے وہ یہ ثابت کریں کہ حضرت علیؑ کی عمر اس وقت سن بلوغ سے کم تھی اس کے بعد اپنے زعم ناقص میں آپ کی فضیلت کو گھٹانے کی کوشش کریں۔

حالاں کہ خود ان ہی حضرات نے بہت سی ایسی روایتیں نقل کی ہیں جن میں یہ تعبیر استعمال ہوئی ہے کہ مردوں (رجال) میں (بچوں میں نہیں) سب سے پہلے ایمان لانے والے حضرت علیؑ ہیں۔ ابن داؤد کی حضرت علیؑ سے منقول یہ روایت ملاحظہ ہو:

انا اوّل رجل اسلم مع رسول اللهؐ [۲]

رسول خداؐ کے ہمراہ ایمان لانے والا میں پہلا مرد ہوں۔

تاریخ یعقوبی میں ہے کہ:

کان اوّل من اسلم خدیجة بنت خویلد من النساء وعلی ابن ابی طالب من الرجال ثم زید بن حارثه ثم ابوذر...

عورتوں میں خدیجہ بنت خویلد سب سے پہلے ایمان لائیں اور مردوں میں علی ابن ابی طالب پھر زید بن حارثہ پھر ابوذر..... ایمان لائے۔

---

[۱] بحار الانوار جلد ۳۰ / ۲۸۶ [۲] شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید جلد ۲ طبع مصر ص۱۵۵

ثانیاً:

بلوغ کی تین علامتوں میں سے ایک علامت پندرہ سال عمر ہے۔ یہ علامت اہل سنت کے بقول جنگ خندق کے دوران معین ہوئی ہے ورنہ اس سے پہلے، بلوغ کے لیے پندرہ سال عمر کی کوئی قید نہیں تھی معیارِ بلوغ صرف فہم وادراک تھا۔ سن وسال کی کوئی قید نہیں تھی۔ اس سلسلہ میں "اسعاف الراغبین" اور "سیرۃ حلبیہ" کا مطالعہ کیا جاسکتا ہے۔[1]

ثالثاً:

خداوندعالم کے نزدیک ایمان، عقیدہ اور عبادتوں کی قبولیت بلوغ اور سن تکلیف تک پہنچ جانے پر موقوف نہیں ہے۔ چنانچہ فقہائے اسلام نے "بچہ کی عبادت" کے باب میں تفصیل سے بحث فرمائی ہے خداوندعالم کی نگاہ میں بچوں کے اعمال وعبادت کی قدروقیمت اور ثواب اگر بالغوں سے زیادہ نہیں تو کم یقیناً نہیں ہے۔۔۔

چنانچہ حضرت علیؑ کے ایمان کے تعلق سے رسول خداؐ کا قول وعمل ہمارے اس دعوے کا بہترین ثبوت ہے۔ شیعہ وسنی روایتوں کے مطابق خود آں حضرتؐ نے علیؑ کو اسلام کی دعوت دی اور اعلان ایمان کے بعد حضورؐ نے آپؑ کے اعلان ایمان کی اہمیت بتانے کے لیے آپ کی مدح وستائش بھی فرمائی۔ چنانچہ سرکار دوعالمؐ نے آپؑ کے اعلان ایمان کی اہمیت کو اجاگر کرنے کے لیے ایک ہی مرتبہ نہیں بلکہ مختلف موقعوں پر ستائشی کلمات بیان فرمائے ہیں:

ان ھذا اول من آمن بی وھو اول من یصافحنی۔۔۔

یہ (علیؑ) مجھ پر ایمان لانے والے پہلے شخص ہیں اور یہی سب سے پہلے مجھ سے مصافحہ کریں گے۔

اول الناس ورودا علی الحوض اولھم اسلاما۔۔۔

(علیؑ) سب سے پہلے میرے پاس حوض کوثر پر پہنچیں گے اور وہی سب سے پہلے اسلام بھی لائے ہیں۔

---

[1] الصحیح من السیرۃ جلد ا صـ۲۵۱

شادی کے وقت حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا سے فرمایا:

زوّجتکِ اقدمھم اسلاماً

میں نے تمہاری شادی اس شخص سے کی ہے جو سب سے پہلے اسلام لایا

خود حضرت علی علیہ السلام نے اپنے اس شرف کو بطور افتخار بیان فرمایا ہے!

صلّیت قبل ان یصلّی احد....

سب سے پہلے نماز میں نے پڑھی ہے....

انا اوّل من صلیٰ مع رسول اللہ....

رسول خداؐ کے ہمراہ نماز پڑھنے والا میں پہلا شخص ہوں۔

عبدت اللہ مع رسول اللہ قبل ان یعبدہ احد....

میں نے رسول خداؐ کے ہمراہ خدا کی اس وقت عبادت کی جب کوئی بھی عبادت نہیں کرتا تھا۔

گزشتہ مقالوں میں اس سلسلہ کی بہت سی روایتیں تفصیل سے بیان ہو چکی ہیں۔ اگر قبل از بلوغ کی عبادت اور عقیدہ بے قیمت و بے وقعت ہو تو نہ رسول خداؐ اس کی بار بار ستائش فرماتے اور نہ ہی حضرت علیؑ اس پر فخر کرتے ممکن ہے یہ بحث قرآنی آیتوں کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لے کیوں کہ قرآن مجید داستان ولادت عیسیٰ بیان کرتے ہوئے گہوارہ میں حضرت عیسیٰؑ کے تکلم کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ:

...انی عبد اللہ اتانی الکتاب اجعلنی نبیا... واوصانی بالصلوٰۃ والزکوٰۃ ما دمت حیا وبرا بوالدتی ولم یجعلنی جبارا شقیا...[1]

میں خدا کا بندہ ہوں اس نے مجھے کتاب عطا کی ہے اور مجھے نبی بنایا ہے۔ میں جب تک زندہ رہوں مجھے حکم دیا ہے نماز بجالانے کا، زکوٰۃ کی ادائیگی کا اور اپنی والدہ کے ساتھ احسان و نیکی کا۔ مجھے خدا نے سخت دل و نافرمان نہیں بنایا ہے۔

اگر بچپن، فضیلتوں کی راہ میں حائل ہے تو العیاذ باللہ حضرت عیسیٰؑ کا یہ افتخار یہ بیان بے جا و بے محل ہوگا کہ خدا نے مجھے گہوارہ میں کتاب و نبوت عطا فرمائی ہے۔ مجھے نبی بنایا ہے اور نماز، زکوٰۃ نیز والدہ

---

[1] مریم/۳۰-۳۱-۳۲

کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا ہے۔۔۔؟

اور یا جناب یحیٰی علیہ السلام کے سلسلہ میں قرآن کا یہ بیان کہ

وآتیناہ الحکم صبیا [1]

ہم نے انھیں (یحیٰی کو) بچپن ہی میں حکم (نبوت یا حکمت و فرزانگی) عطا کر دی۔

یہاں بھی یہ کہا جا سکتا تھا کہ یہ کونسی قابل فخر و ذکر بات تھی جو خداوند عالم نے بیان کی ہے۔

یا جناب یوسفؑ کے واقعہ میں "شاہد" کا تذکرہ:

وشهد شاهد من اهلها ان کان قمیصه قدّ من قبل فصدقت

وهو من الکاذبین وان کان قمیصه قدّ من دبر فکذبت وهو

من الصّدقین [2]

اور اس کے گھر والوں میں سے ایک گواہ نے گواہی بھی دے دی کہ اگر ان کا دامن سامنے سے پھٹا ہے تو وہ سچی اور یہ جھوٹوں میں سے ہیں اور اگر ان کا کرتا پیچھے سے پھٹا ہے تو وہ جھوٹی ہے اور یہ سچوں میں سے ہیں۔

اکثر مفسروں کا بیان ہے کہ وہ شاہد و گواہ، گھوارہ میں پڑا ہوا ایک بچہ تھا جسے خداوند عالم نے اپنے بندہ یوسفؑ کی بے گناہی ثابت کرنے کے لیے قوت گویائی عطا فرمادی تھی۔۔۔

اس کے علاوہ بھی بہت سے تاریخی نمونے ہیں جہاں نابالغ بچوں کی عبادت و شہادت قبول اور ان کی تعریف و تمجید کی گئی ہے۔ اگر بچپن فضیلتوں کی راہ میں مانع ہے تو ان سب مواقع و واقعات پر انگلی اٹھے گی۔

لیکن حقیقت یہی ہے کہ یہ موہوم اعتراضات اور بیجا شکوک و شبہات اس عظیم فضیلت کو داغدار نہیں بنا سکتے۔ ہم اس گفتگو کو اس شعر پر ختم کرتے ہیں کہ:

شب پرہ گر وصل آفتاب نخواہد — ذرہ ای از قدر آفتاب نکاہد

(۔۔۔ جاری ہے)

---

[1] مریم/ ۱۲ [2] یوسف/ ۲۶-۲۷

اے لوگو! مجھے تمہارے بارے میں سب سے زیادہ دو باتوں کا ڈر ہے۔ ایک خواہشوں کی پیروی اور دوسرے طول آرزو، خواہشوں کی پیروی وہ چیز ہے جو حق سے روک دیتی ہے اور طول آرزو آخرت کو بھلا دیتا ہے۔ تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ دنیا تیزی سے جا رہی ہے اور اس میں کچھ باقی نہیں رہ گیا ہے مگر اتنا ہے کہ جیسے کوئی انڈیلنے والا برتن کو انڈیلے تو اس میں کچھ تری باقی رہ جاتی ہے اور آخرت ادھر کا رخ کیے ہوئے آ رہی ہے اور دنیا و آخرت ہر ایک کے خاص آدمی ہوتے ہیں تو تم فرزند (تابع) آخرت بنو اور ابناء دنیا نہ بنو، اس لیے کہ ہر بیٹا روز قیامت اپنی ماں سے منسلک ہوگا۔ آج عمل کا دن ہے اور کل حساب کا دن ہوگا، عمل نہ ہو سکے گا۔

(نہج البلاغہ خطبہ ۲/۴۲)

دونوں گناہ کے مستوجب ہوئے ہیں تو پھر ان دونوں کی جگہ دوسرے دو آدمی میت کے عزیزوں میں سے، جن کا حق ان سے چھینا گیا ہے۔ کھڑے ہوں۔ اور اللہ کی قسم کھائیں کہ ہماری گواہی ان دونوں کی گواہی سے زیادہ صحیح ہے۔ اور ہم نے زیادتی نہیں کی۔ اگر ایسا کیا تو اس وقت ہم یقیناً ظالموں میں سے ہوں گے۔ ۱۰۷۔ یہ زیادہ امکانی بات ہے کہ وہ دونوں صحیح صحیح گواہی دیں، یا اس بات سے ڈریں کہ ان کی قسموں کے بعد دوسری قسموں سے ان کی تردید کردی جائے گی۔ اور تم اللہ سے ڈرو اور سنو (اس کے احکام پر دھیان دو) اور اللہ، نافرمانی کرنے والوں کو اپنی رہنمائی سے محروم کردیتا ہے۔ ۱۰۸۔

تفسیر:

۱۰۶۔ یاایھا الذین اٰمنوا شھادۃ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

۱۰۷۔ فان عثر علیٰ انھما استحقا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

۱۰۸۔ ذٰلک ادنیٰ ان یاتوا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

قانون کا خلاصہ یہ ہے کہ وطن سے دور سفر میں مرنے والے مسلمان کو چاہیے کہ اپنے قافلے اور سفر کے ساتھیوں میں دو مسلمان عادل گواہ بنا کر اپنا مال و متاع ان کے حوالے کردے، اس طرح دو مسلمان عادل گواہ عدالتی طور پر وہ مال اصل وارثوں تک پہنچانے کے ذمہ دار ہوں گے۔

اگر دو عادل مسلمان نہ ملیں تو دو غیر مسلم۔ یہودی یا نصرانی۔ آدمیوں کو گواہ بنائے۔

یہ دونوں گواہ نماز کے وقت روکے جائیں اور بحالتِ شک ان سے بایں الفاظ و مفہوم قسم لی جائے ا " قسم ہم سچی گواہی کے عوض کوئی قیمت نہیں لیں گے، اور اپنے رشتے دار کی حمایت میں بھی جھوٹ نہیں بولیں گے اور اللہ کے لیے گواہی کو چھپائیں گے نہیں۔ اور اگر ایسا کیا تو ہم گنہ گار ہوں گے۔ یہاں صحیح صورت حال بیان کرنے کو " شہادۃ اللہ" کے نام سے عزت بخشی ہے۔

اگر پہلے دو گواہوں کی بدکرداری اور دروغ بیانی کا سراغ لگا لیا جائے تو ان کے مقابلے میں دو ایسے گواہ معتبر قرار پائیں گے جن پر پہلے گواہوں نے ظلم کیا ہو۔ مرنے والے کے وارث خود گواہی دے سکیں گے۔ یہ دونوں گواہ حلفیہ بیان میں اللہ کی قسم کھا کر کہیں کہ ہماری گواہی ان دونوں، سابقہ گواہوں سے زیادہ حق پر مبنی ہے۔ ہم نے حد سے تجاوز نہیں کیا اور قانون سے آگے قدم نہیں بڑھایا، بصورت دیگر ہم ظالم، اور حق سے منحرف ہوں گے۔

Islami, Ilmi, Fikri, **TAWHID** bi-monthly New Delhi
Registered with the Registrar of News Paper at No. 55749/93
Post Box No. 7119 New Delhi-110 002
Tel. : 6915208
VOL. 2 ISSUE : 1 MARCH APRIL, 1995

امریکہ محروموں کا بدترین دشمن

سب سے زیادہ اہم اور دردناک مسئلہ جس سے امریکی حکومت کے تابع ممالک کی مسلمان اور غیر مسلم قومیں دوچار ہیں، وہ خود امریکہ کا مسئلہ ہے۔ دنیا کی بڑی طاقتور امریکی حکومت اپنے تابع فرمان چھوٹے ممالک کے مادی ذخائر کو زیادہ سے زیادہ نگل لینے میں کسی قسم کی کوشش سے دریغ نہیں کرتی۔

امریکہ دنیا کے محروموں اور پسماندہ لوگوں کا سب سے بڑا دشمن ہے۔ امریکہ اپنے سیاسی، اقتصادی، ثقافتی اور فوجی تسلط کی خاطر اپنے تابع فرمان چھوٹے ممالک کے ساتھ کسی قسم کی خیانت سے بھی نہیں چوکتا۔ وہ دنیا کے مظلوم لوگوں کا اپنے بین اقوامی صیہونی پروپگنڈوں کے ذریعہ استحصال کرتا ہے، وہ اپنے نظر نہ آنے والے خیانت کار ہاتھوں سے لوگوں کا خون اس طرح چوستا ہے کہ گویا اس کے اور اس کے ایجنٹوں کے علاوہ کسی کو جینے کا حق نہیں ہے۔

(امام خمینی رضوان اللہ علیہ کی ایک تقریر سے اقتباس ۱۹ ستمبر [illegible])

واتقوا اللہ ۔ واسمعوا ۔ ہر شخص کو اللہ سے ڈرنا چاہیے ۔ ہر مسلمان کو تقویٰ اختیار کرنا چاہیے ۔ سب کو اللہ کا حکم بگوش ہوش سننا چاہیے ، جو لوگ ایسا نہ کریں گے وہ فاسق ، بدکار و بدکردار کہلائیں گے اور اللہ کی توفیق ہدایت سے دور رہیں گے ۔

مسلمان کا مال ضایع نہ کیا جائے ۔ اور مخلوط ماحول میں ، موت اور میراث جیسے اہم معاملات نظرانداز نہ کیے جائیں ۔ سفر کا شریک ، رفیق بھی ہے اور باہمی طور پر قابل اعتماد بھی ۔ جو مسلمان گھر سے نکلتا ہے اس پر اپنی حفاظت اور اپنے مال کی حفاظت واجب ہے ، اگر اتفاق سے ایسے حالات پیدا ہو جائیں کہ موت کی آمد یقینی نظر آئے ، تو وارثوں کے حق کی حفاظت سے سبکدوش ہونا چاہیے اس کے لیے (الف) دو عادل باکردار مسلمان شرکار سفر کو مال و اسباب کا تفصیلی گواہ بنانا چاہیے ۔ آیت میں ان دونوں آدمیوں کو وصی اور امین بنایا جا رہا ہے نگران کا نام شاہد ۔ گواہ رکھا جا رہا ہے ۔ معلوم ہوتا ہے ایسے نازک وقت چشم دید و واقف حال آدمیوں کو فقط امین و وصی کے ساتھ گواہ بھی قرار دیا گیا ہے ۔ دو آدمی ہوں ' دونوں عادل ہوں ' مال و متاع انھیں دیتے ہوئے امانت دار اور گواہ دونوں مانا جائے ۔ گواہی بجائے خود حق برادری بھی ہے لہٰذا ثواب کا حصہ دیا جائے گا ۔

(ب) موت کے آثار ہیں مسلمان ساتھ نہیں (آخران من غیرکم) تو غیر مسلم اس کام کے لیے نامزد کریں سنت سے ثابت ہے کہ غیر سے مراد عیسائی یا یہودی ، اہلِ کتاب ہیں ۔ کیوں کہ اسلامی ضابطے میں غیر اہل کتاب کو اہمیت اور متبادل حیثیت نہیں دی گئی ہے ۔ البتہ بعض احادیث کی رو سے مجوس بھی اہل کتاب کے ضمن میں شمار ہوئے ہیں ۔ ترتیب عبارت سے یہ بات بھی واضح ہے کہ مسلمان کے ہوتے ہوئے ، غیر مسلم گواہ نہیں بنائے جا سکتے ۔

(ج) اگر گواہوں کے رویے سے معلوم ہو کہ دونوں مشتبہ ہیں ، بیان میں غلط بیانی کریں گے ، تو دونوں کو نماز کے وقت روک لیا جائے اور حاکم عدالت ان سے حلفیہ بیان لے ۔

نماز سے مراد عصر کا وقت اور عصر کی نماز ہے یا کوئی سی نماز اور کس کی نماز ؛ وقت نماز کا تعین زمان و مکان کا تقدس کا اشارہ کہ آدمی ذہنی طور پر احساس بندگی ضرور محسوس کرتا ہے ۔ اور نماز سے مراد احادیث میں نماز عصر ہے ۔ اس وقت بازاروں میں مجمع اور کاروبار کا زور ہوتا ہے ، گواہوں کو ایسا ماحول دیا جائے کہ وہ مختلف اشخاص اور تاجر افراد کے سامنے بیان دیتے ہوئے اپنے بھرم کا خیال رکھیں ۔

(د) اگر پہلے اور موقع کے گواہ غلط بیانی سے کام لیں اور مرنے والے کے وارث ان کے خلاف ثبوت رکھتے ہوں تو، اگرچہ وہ اصلی گواہ نہیں ہیں مگر قانون انھیں پہلوؤں کے انحراف کے بعد ان کا قائم مقام قرار دیتا ہے اور ان سے اسی قسم کا حلف لینے کا حکم دیتا ہے۔

(ھ) ان کی گواہی کو قانونی درجہ دینے کی وجہ حق و حقیقت کی صحیح سمت حاصل کرنا اور اس خوف ناک امکان کی یاد دہانی ہے کہ اگر پہلے دو کی گواہی مسترد ہو گئی تو ان کی گواہی بھی مسترد ہو سکتی ہے اور اگر دونوں حلف غلط ثابت ہوئے تو مال، سرکاری خزانے میں داخل ہو جائے گا اور دونوں پارٹیاں محروم رہیں گی۔ نیز دیکھیے البقرہ/۱۸۰۔

اہل بیتؑ ٹرسٹ کی مطبوعات حاصل کرنے کے پتے:

زیارت حسین رضوی صاحب۔ گلشن رضویہ اے۔۳۲۔جی ٹی بی نگر کریلی کالونی الہ آباد

حجۃ ہوبی بک سینٹر شفاعت مارکیٹ زہرا کالونی لکھنؤ ۳

محمود عالم صاحب معرفت شہنشاہ حسین پلاٹ ۳۶ روم ۱ نیو مالونی کالونی کولاباپلاٹ ملاڈ بمبئی ۹۵

حیدری کتب خانہ ۱۵/۱۴ مرزا علی اسٹریٹ امام باڑہ روڈ بمبئی ۹

امام خمینیؒ [illegible] یل ٹرسٹ کرگل کشمیر ۱۹۴۱۰۳

حوزہ علیہ جامعہ باب العلم۔ بڈگام کشمیر

النور اسلامک انسٹی ٹیوٹ سجاد آباد، چھتہ بل پائین سرینگر کشمیر

دفتر تبلیغات اسلامی گنگو، پلوامہ کشمیر

یونیک بک سیلرز کرگل کشمیر ۱۹۴۱۰۳

تہران بک شاپ کھانڈا چدورا بڈگام کشمیر ۱۹۱۱۱۱

طارق نیوز ایجنسی فرید آباد ڈوڈا کشمیر ۱۸۲۲۰۲

نبّیٔ عبادی انّی انا الغفور الرّحیم و انّ عذابی ھو العذاب الالیم [1]

اے رسول میرے بندوں کو آگاہ کردو کہ میں بڑا بخشنے والا اور مہربان ہوں اور میرا عذاب بڑا سخت عذاب ہے۔

خداوند کریم ان آیتوں میں دو باتوں پر تاکید کر رہا ہے:

۱۔ اے رسول میرے بندوں سے یہ کہہ دو کہ میری رحمت سے ہمیشہ امید لگائے رہیں اور کبھی مایوس نہ ہوں اور اپنی زندگی میں فطری لیاقتوں کے حصول و بقار کے لیے ہمیشہ کوشاں رہیں یعنی جو ہم نے انھیں توفیقات عطا کی ہیں ان سے ہر طرح کا فائدہ اٹھائیں تاکہ میری وسیع رحمت سے محروم نہ ہوں۔

۲۔ میرا عذاب بہت دردناک ہے میرے عذاب کو کوئی حقیر نہ سمجھے اور اپنے آپ کو میرے عذاب سے محفوظ نہ سمجھے (مگر صرف وہ لوگ کہ جن کو خدا نے محفوظ رکھا ہے)

ان دو آیتوں کے ذکر کے بعد ہم اپنے اصل موضوع "جہنمیوں کے لیے طرح طرح کے عذاب" پر بحث شروع کرتے ہیں۔ گزشتہ قسط میں ہم نے اہلِ جہنم کے کھانے اور پینے کی چیزوں کا ذکر کیا تھا۔

---

[1] حجر / ۴۹-۵۰

۳- اہلِ جہنّم کا مسکن :

خداوند متعال اس بارے میں ارشاد فرماتا ہے :

وانّ جھنّم لموعدھم اجمعین لھا سبعة ابواب لکلّ باب منھم جزء مقسوم[1]

"جہنم تمام گناہ گاروں اور گمراہ لوگوں کی وعدہ گاہ ہے اور اس جہنّم کے سات دروازے ہیں اور ہر دروازہ ایک خاص گروہ کے لیے معیّن ہے۔

اس آیۃ میں سات دروازوں سے مراد سات طبقے ہیں۔ ہر طبقہ ایک مخصوص گروہ کے لیے ہے اور اس کے مختلف عذاب ان کے اعمال کے مطابق ہوں گے اس بات کی تائید علامہ طباطبائیؒ نے بھی کی ہے[2]۔

تفسیر مجمع البیان میں حضرت علی علیہ السّلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے اس آیۃ کی توضیح وتشریح فرماتے ہوئے اپنے ایک ہاتھ کو دوسرے ہاتھ پر رکھا اور فرمایا جہنّم کے سات طبقے ہیں اور ہر طبقے کے اوپر ایک ایک طبقہ ہے، لیکن جنت کی منزلیں ایک دوسرے کے ہم عرض اور برابر ہیں۔ آپ نے پھر فرمایا دوزخ کے ہر طبقہ کا ایک خاص نام ہے، اور سب سے نچلے طبقے کا نام جہنّم ہے اور اس کے اوپر والے کا "لظی" ہے اس سے اوپر "حطمہ" اس سے اوپر "سقر" اور اس کے اوپر "جحیم" اس سے اوپر "سعیر" اور سب سے اونچا طبقہ "ھاویہ" ہے[3]

قرآن کریم ایک آیۃ میں منافقین کے طبقہ کا ذکر کرتا ہے

انّ المنافقین فی الدّرک الاسفل من النّار ولن تجد لھم نصیرا[4]

منافقوں کا ٹھکانہ جہنم کا پست ترین طبقہ ہے۔ اور ان کا کوئی یار و مددگار نہ ہوگا۔

ظالموں اور ستمگاروں کے بارے میں ارشاد خداوندی ہے :

انّا اعتدنا للظالمین نارا احاط بھم سُرادقُھا۔[5]

ہم نے یقیناً ظالموں کے لیے اس آگ کا انتظام کر رکھا ہے جس کے پردے چاروں طرف سے گھیرے ہوئے ہوں گے۔

---

[1] حجر / ۴۳-۴۴ [2] تفسیر المیزان ج ۱۲ ص ۱۸۱ [3] تفسیر مجمع البیان ج ۶ ص ۳۳۶ [4] نساء / ۱۴۵ [5] کہف / ۲۹

کافرین کے لیے ارشاد ہے :

واعتدنا لمن کذّب بالساعة سعیراً اذا رأتھم من مکان بعید سمعوا لھا تغیظاً وزفیراً واذا القوا منھا مکاناً ضیقاً مقرّنین دعوا ھنالك ثبوراً لاتدعوا الیوم ثبوراً واحداً وادعوا ثبوراً کثیراً[1]

"ہم نے قیامت کا انکار کرنے والوں (کافروں) کے لیے جہنم مہیا کر رکھا ہے جب آگ ان کو دُور سے دیکھے گی تو یہ لوگ اس کے جوش و خروش کی آواز سنیں گے اور جب انھیں زنجیروں سے جکڑ کر جہنم کے تنگ کونے میں پھینک دیا جائے گا تو فریاد و واویلا مچائیں گے اس وقت ان سے کہا جائے گا آج ایک موت کو آواز نہ دو بلکہ بہت سی موتوں کو آواز دو۔

حضرت علی علیہ السّلام فرماتے ہیں :

انرأیتم جزع احدکم من الشّوکة تصیبه والعثرة قد میه والرمضاء تحرقه فکیف اذا کان بین طابقین من نارٍ ضجیع حجر وقرین شیطان[2]

کیا تم نے یہ نہیں دیکھا جب تم میں سے کسی کو کانٹا چبھ جاتا ہے، ٹھوکر لگنے سے بدن سے خون کے کچھ قطرے بہہ جاتے ہیں یا گرم ریت سے جب پاؤں جل جاتے ہیں تو کس طرح بیتاب ہو جاتا ہے اور درد کا اظہار کرتا ہے مگر اس وقت کیا حالت ہوگی جب وہ آگ کے دو طبقوں کے درمیان گرفتار ہوگا، جلتے ہوئے پتھروں میں لیٹے گا اور شیطان اس کا ہم نشیں ہوگا۔

۴۔ اہلِ جہنّم کا لباس :

اہلِ جہنّم کے لیے مہیّا عذابوں میں سے ایک عذاب آگ کے مخصوص کپڑے ہوں گے جو انھیں پہنائے جائیں گے۔ قرآن میں اس بارے میں وارد ہوا ہے :

فالّذین کفروا قطّعت لھم ثیاب من نار[3]

کافروں کے لیے جہنّم میں آگ کا لباس مہیّا کیا گیا ہے۔

---

[1] فرقان / ۱۱ - ۱۴ [2] نہج البلاغہ خطبہ ۱۸۱ [3] حج / ۲۰

ایک اور آیۃ میں ارشاد ہوتا ہے:

وتری المجرمین یومئذ مقرّنین فی الاصفاد سرابیلھم من قطرانٍ وتغشیٰ وجوھھم النّار لیجزی اللہ کلّ نفس ما کسبت انّ اللہ سریع الحساب[1]۔

تم اس دن (روز جزا) ایسے گنہگاروں کو دیکھو گے جو کہ زنجیر میں جکڑ دیے گئے ہوں گے اور ان کا لباس "قطران" ہوگا۔ (قطران ایک ایسا سیاہ و بدبودار مادہ ہے جو جہنمیوں کے جسم پر ملا جائے گا اور اتنا گاڑھا ہوگا کہ جہنمیوں کے بدن اس سے ڈھک جائیں گے گویا یہ ان کا لباس ہوگا) ان لوگوں کے چہروں کو آگ کی لپٹوں نے گھیر لیا ہوگا۔ یہ تمام امور اس بنا پر ہیں کہ خدا ہر ایک کو اس کے کئے کی سزا ضرور دیتا ہے اور خدا بہت جلد حساب کرنے والا ہے۔

امام باقر علیہ السلام جہنمیوں کے لباس کے بارے میں فرماتے ہیں: "جہنمیوں کو آگ کے ستر لباس پہنائے جائیں گے۔ شاید ستر کا عدد متعدد لباسوں کا کنایہ ہے[2]۔

مولا امیر المومنین علیہ السلام اہل جہنم کے بارے میں فرماتے ہیں:

"واما اھل المعصیۃ فانزلھم شرّ دارٍ وغلّ الایدی الی الاعناق، وقرن النّواصی بالاقدام والبسھم سرابیل القطران ومقطّعات النّیران فی عذاب قد اشتدّ حرّہ وباب قد اطبق علیٰ اھلہٖ فی نارٍ لھا کلب ولجب ولھب ساطع وقصیف ھائل لا یظعن مقیمھا ولا یفادیٰ اسیرھا ولا تفصم کبولھا ولا مدّۃ للدّار فتفنیٰ ولا اجل للقوم فیقضیٰ" (نھج البلاغہ، خطبہ ۱۰۷)

"اور جو نافرمان ہوں گے انھیں خدا ایک بُرے گھر میں پھینکے گا، ان کے ہاتھ کس کر گردن سے باندھ دے گا، ان کی پیشانیوں پر لٹکنے والے بالوں کو قدموں سے جکڑ دے گا، انھیں "تارکول" کی قمیص اور آگ سے قطع کیے ہوئے کپڑے پہنائے گا وہ ایسے عذاب میں ہوں گے جس کی تپش بڑی سخت ہوگی اور (ایسی جگہ میں ہوں گے کہ جہاں) ان پر دروازے بند کر دیے جائیں گے اور ایسی آگ میں ہوں گے کہ جس میں تیز شرارے بھڑکنے کی آوازیں اُٹھتی ہوئی لپٹیں اور ہولناک چیخیں ہوں گی اس میں

---

[1] ابراہیم / ۴۹-۵۱   [2] کفایۃ الموحدین ج ۳ ص ۴۱۱

ٹھہرنے والا نکل نہ سکے گا اور نہ ہی اس کے قیدیوں کو فدیہ دے کر چھڑایا جا سکتا ہے اور نہ ہی ان کی بیڑیاں ٹوٹ سکتی ہیں اس گھر کی کوئی مدّت مقرر نہیں کہ اس کے بعد مٹ مٹا جائے نہ رہنے والوں کے لیے کوئی مقررہ میعاد کہ وہ پوری ہو جائے تو پھر چھوڑ دیے جائیں)

۵۔ آگ کی زنجیریں اور بیڑیاں:

اہلِ جہنم کا ایک عذاب یہ بھی ہے کہ ان کو آگ کی زنجیریں پہنائی جائیں گی۔ قرآن کریم میں اس سلسلے میں یہ ارشاد ہوتا ہے:

۱۔ الذین کذبوا بالکتاب وبما ارسلنا بہ رسلنا فسوف یعلمون اذ الاغلال فی اعناقھم والسلاسل یسحبون فی الحمیم ثم فی النار یسجرون[۱]

وہ لوگ جو ہماری نازل کی ہوئی کتابوں اور ان احکام کو جو ہم نے پیغمبروں کے ذریعہ بھیجے ہیں، جھٹلاتے ہیں، بہت جلدی یہ سمجھ لیں گے کہ باطل کو اختیار کیے ہوئے ہیں جبکہ ان کی گردنوں میں طوق و زنجیریں ڈالی جائیں گی اور ان کو جہنم کے کھولتے ہوئے پانی میں پھینک دیا جائے گا اور اس کے بعد انھیں آگ میں جلایا جائے گا۔

۲۔ وتری المومنین یومئذٍ مقرنین فی الاصفاد سرابیلھم من قطران وتغشی وجوھھم النار لیجزی اللہ کل نفس ماکسبت ان اللہ سریع الحساب[۲]

یومِ جزا و سزا گنہگاروں کو دیکھو گے کہ سب ایک زنجیر سے بندھے ہوئے ہیں اور ان کا لباس قطران کا ہے، اور ان کے چہروں کو جہنم کی آگ کے شعلے اپنی لپیٹ میں لیے ہوئے ہیں۔ یہ عذاب اس بنا پر ہے کہ خدا ہر ایک کو اس کے کیے کی جزا دیتا ہے اور بہت جلد حساب کرنے والا ہے۔

۳۔ وجعلنا الاغلال فی اعناق الذین کفروا ھل یجزون الا ما کانوا یعملون[۳]

ہم نے طوق و زنجیر کافروں کی گردنوں میں ڈال دی ہے یہ اپنے کیے ہی کی تو سزا بھگت رہے ہیں۔

۴۔ خذوہ فغلوہ ثم الجحیم صلوہ ثم فی سلسلۃ ذرعھا سبعون ذراعاً فاسلکوہ

---

[۱] مومن / ۷۲-۷۰ [۲] ابراھیم / ۵۱-۴۸ [۳] سبا / ۳۳

انه كان لا يؤمن بالله العظيم ولا يحض على طعام المسكين [1]

اس کو لے جاؤ اور طوق وزنجیر میں جکڑ کر جہنم میں پھینک دو اس کے بعد ایسی زنجیریں جکڑ کر کھینچتے ہوئے لے جاؤ جس کی لمبائی ستر ذراع ہے یہ وہ شخص ہے جو خدائے بزرگ پر ایمان نہیں لایا ہے اور مسکینوں کی کبھی مدد نہیں کی ہے۔

۶- لوہے کے گرز:

اہلِ جہنم کو جن چیزوں سے عذاب دیا جائے گا ان میں سے ایک لوہے کے گرز بھی ہیں اس سلسلے میں قرآن کی یہ آیت ہے۔

فالذين كفروا قطعت لهم ثياب من نار يصب من فوق رؤوسهم الحميم يصهر به ما في بطونهم والجلود ولهم مقامع من حديد كلما ارادوا ان يخرجوا منها من غم اعيدوا فيها وذوقوا عذاب الحريق [2]

اہلِ جہنم، کافروں کے لیے آگ کے لباس مہیا کیے گئے ہیں، ان کے سروں پر کھولتا ہوا پانی ڈالا جائے گا جس کی وجہ سے ان کی جلد اور ان کے پیٹ میں موجود تمام چیزیں کھول اٹھیں گی اور کٹ کٹ کر گریں گی۔ آہنی گرز بھی ان لوگوں کے لیے مہیا کیے گئے ہیں جب بھی اہلِ جہنم جہنم کی گہری آگ سے نکلنے کی کوشش کریں گے تاکہ عذابِ جہنم سے چھٹکارا پا جائیں فرشتے پھر انھیں وہاں لوٹا دیں گے اور کہیں گے شدید جلانے والی آگ کا مزہ چکھو۔

حضرت علی علیہ السلام نے اہلِ مصر کے نام جو خط لکھا تھا اس میں یہ جملہ ملتا ہے۔

"حذروا نارا قعرها بعيد وحرها شديد وشرابها صديد وعذابها جديد ومقامعها حديد [3] مولا فرماتے ہیں" ڈرو اس آگ سے جس کی گہرائی بہت زیادہ ہے، جس کی حرارت و تپش نہایت شدید ہے، اور اس کا پانی، ایسی رطوبتیں و غلاظتیں ہیں، جو اہلِ جہنم کے بدن سے خارج ہوں گی، اس آگ کا عذاب دائمی ہے اور (جہنم میں) لوہے کے گرز بھی ہیں۔

---

[1] حاقه/ ۳۲-۳۰ [2] حج/ ۲۲-۱۹ [3] كفاية الموحدين/ ج صـ ۴۱۳

امام عسکریؑ کی طرف جو تفسیر منسوب ہے اس میں سورۂ حج کی ۲۲-۱۸ آیات کی تفسیر اس طرح کی گئی ہے۔
اہل جہنّم آگ کی گہرائیوں میں بہت ہاتھ پیر ماریں گے (یعنی بہت زیادہ بدحواسی ہوگی) اور اسی طرح ۷۰ سال تک جہنّم کی کھائی میں گرتے چلے جائیں گے اس وقت جہنّم سے ایک مہیب صدا آئے گی اور یہ لوگ اوپر کی طرف اچھال دیے جائیں گے جیسے ہی یہ لوگ آگ پر پہنچائے جائیں گے لوہے کے وزنی گرز کے ذریعہ ان کے سروں کو کچل دیا جائے گا تاکہ دوبارہ جہنم کی کھائی میں جاگریں۔ یہ عذاب اسی طرح جاری رہے گا۔[1]

۷۔ جہنّم میں ہمنشین :

اہل جہنّم کے لیے ایک عذاب ان کے ہمنشین بھی ہوں گے، اس بارے میں قرآن میں یہ ارشاد ہے :
ومن یعش عن ذکر الرّحمٰن نقیّض له شیطانًا فهو له قرین وانّهم لیصدّونهم عن السّبیل ویحسبون انّهم مهتدون حتّی اذا جاءنا قال یالیت بینی وبینك بُعد المشرقین فبئس القرین[2]۔
جو خدا کی یاد سے اعراض کرے گا ہم اس پر ایک شیطان کو مسلّط کردیں گے تاکہ وہ اس کا ساتھی بنا رہے۔ شیاطین ہمیشہ لوگوں کو خدا سے غافل کرتے اور راہ حق سے بھٹکاتے ہیں اور یہ ناسمجھ لوگ یہی سمجھتے ہیں کہ ہم صحیح راستے پر چل رہے ہیں، لیکن روز قیامت جب پلٹ کر ہماری طرف آئیں گے (تو تمام حقائق آشکار ہو چکے ہوں گے) تو ہزار حسرت سے کہیں گے کاش میرے اور اس شیطان کے بیچ مشرق و مغرب کا فاصلہ ہوتا یہ تو بہت برا ساتھی اور ہمنشیں ثابت ہوا کہ اس کی وجہ سے مجھے یہ دن دیکھنا پڑا۔
مولا امیرالمومنینؑ ایک خطبہ میں عذاب جہنّم خصوصاً جہنم کی طوق و زنجیر کے بارے میں اس طرح ارشاد فرماتے ہیں۔
فاتقوا الله الذی انتم بعینه ونواصیکم بیده وتقلّبکم فی قبضته ان اسررتم علمه وان اعلنتم کتبه قد وکّل بکم حفظة کراماً لایسقطون حقًّا لایثبتون باطلا واعلموا انّه من یتّق الله یجعل له مخرجا من الفتن ونورا من الظلم ویخلّده فیما اشتهت نفسه وینزله منزلة الکرامة عنده فی دار اصطنعها لنفسه ظلّها عرشه ونورها

---

[1] کفایة الموحدین ج ۳ ص ۴۱۳ [2] زخرف/۳۸ - ۳۵

بهجته وزوّارها ملائكته ورفقاؤها رسله فبادروا المعاد وسابقوا الآجال فانّ النّاس يوشك ان ينقطع بهم الامل ويرهقهم الاجل ويسدّ عنهم باب التّوبة فقد اصبحتم فى مثل ماسال اليه الرّجعة من كان قبلكم وانتم بنوسبيل علىٰ سفرٍ من دار ليست بدارکم وقد اوذنتم منها بالارتحال و امرتم فيها بالزّاد واعلموا انّه ليس لهذا الجلد الرّقيق صبر علىٰ النّار فارحموا نفوسكم فانّكم قد جرّبتموها فى مصائب الدّنيا افرأيتم جزع احدكم من الشّوكة تصيبه والعثرة تدميه والرّمضاء تحرقه؟ فكيف اذا كان بين طابقين من نار ضجيع حجر وقرين شيطان؟ اعلمتم انّ مالكاً اذا غضب على النّار حطم بعضها بعضاً لغضبه واذا زجرها توثبت بين ابوابها جزعاً من زجرته ؟!

ايّها اليفن الكبير الّذى قد لهزه القتير! كيف انت اذا التحمت اطواق النّار بعظام الاعناق ونشبت الجوامع حتّى اكلت لحوم السّواعد؟ فالله الله معشر العباد وانتم سالمون فى الصّحة قبل السّقم وفى الفسحة قبل الضّيق فاسعوا فى فكاك رقابكم من قبل ان تغلق رهائنها[1]

اس اللہ سے ڈرو کہ تم جس کی نظروں کے سامنے ہو اور جس کے ہاتھ میں تمہاری پیشانیوں کے بال اور جس کے قبضۂ قدرت میں تمہارا اٹھنا بیٹھنا اور چلنا پھرنا ہے اگر تم کوئی بات مخفی رکھو گے تو وہ اسے جان لے گا اور ظاہر کرو گے تو اسے لکھ لے گا دیوں کہ) اس نے تم پر نگہبانی کرنے والے مکرم فرشتے مقرر کر رکھے ہیں، وہ کسی حق کو نظر انداز اور کسی غلط چیز کو درج نہیں کرتے یاد رکھو! کہ جو اللہ سے ڈرے گا وہ اس کے لیے فتنوں سے (بچ کر) نکلنے کی راہ نکال دے گا اور اندھیاریوں سے اجالے میں لے آئے گا اور اس کے حسب دلخواہ نعمتوں میں اسے ہمیشہ رکھے گا اور اسے اپنے پاس ایسے گھر میں کہ جسے اس نے اپنے لیے منتخب کیا ہے عزت و بزرگی کی منزل میں لا اتارے گا۔ اس گھر کا سایہ عرش، اس کی روشنی جمال قدرت (کی چھوٹ) اس میں ملاقاتی ملائکہ اور رفیق و ہمنشین

---

[1] نہج البلاغہ خطبہ ۱۸۲

انبیا و مرسلین ہیں اپنی جائے بازگشت کی طرف بڑھو اور زادِ عمل فراہم کرنے میں موت پر سبقت کرو۔ اس لیے کہ وہ وقت قریب ہے کہ لوگوں کی امیدیں ٹوٹ جائیں، موت ان پر چھا جائے اور توبہ کا دروازہ ان پر بند ہو جائے۔ ابھی تو تم اس دور میں ہو کہ جس کی طرف پلٹنے کی تم سے قبل گزر جانے والے لوگ تمنا کرتے ہیں تم اس دارِ دنیا کے جو تمہارے رہنے کا گھر نہیں ہے، مسافرِ راہ نورد ہو اس سے تمہیں کوچ کرنے کی خبر دی جا چکی ہے اور اس میں رہتے ہوئے تمہیں زاد کے مہیا کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ یاد رکھو! اس نرم و نازک کھال میں آتشِ جہنم کے برداشت کرنے کی طاقت نہیں (تو پھر) اپنی جانوں پر رحم کرو، کیونکہ تم نے ان کو دنیا کی مصیبتوں میں آزما کر دیکھ لیا ہے کیا تم نے اپنے میں سے کسی ایک کو دیکھا کہ وہ (جسم) میں کانٹا لگنے سے یا ایسی ٹھوکر کھانے سے کہ جو اسے لہولہان کر دے یا ایسی گرم ریت (کی تپش) سے کہ جو اسے جلا دے کس طرح بے چین ہو کر چیختا ہے۔ ذرا سوچو تو کہ اس وقت کیا حالت ہو گی کہ جب وہ جہنم کے دو آتشیں تودوں کے درمیان (دہکتے ہوئے) پتھروں کا پہلو نشیں اور شیطان کا ساتھی ہو گا کیا تمہیں خبر ہے کہ جب مالک (پاسبانِ جہنم) آگ پر غضب ناک ہو گا تو وہ اس کے غصہ سے (بھڑک کر آپس میں ٹکرانے لگے گی) اور اس کے اجزا ایک دوسرے کو توڑنے پھوڑنے لگیں گے اور جب اسے جھڑکے گا تو اس کی جھڑکیوں سے (تلملا کر) دوزخ کے دروازوں میں اچھلنے لگے گی۔

اے پیر کہن سال کہ جس پر بڑھاپا چھایا ہوا ہے اس وقت تیری کیا حالت ہو گی کہ جب آتشین طوق گردن کی ہڈیوں میں پیوست ہو جائیں گے اور (ہاتھوں میں) ہتھکڑیاں گڑ جائیں گی یہاں تک کہ وہ کلائیوں کا گوشت کھا لیں گی اے خدا کے بندو اب جبکہ تم بیماریوں میں مبتلا ہونے اور تنگی و ضیق میں پڑنے سے پہلے صحت و فراخی کے عالم میں صحیح و سالم ہو اللہ سے ڈرو اور اپنی گردنوں کو قبل اس کے کہ وہ اس طرح گروی ہو جائیں کہ انھیں چھڑایا نہ جا سکے۔ چھڑانے کی کوشش کرو۔

(جاری ہے)

وان کنتم فی ریب مما نزّلنا علیٰ عبدنا فأتوا بسورة من مثله وادعوا شهداءکم من دون الله ان کنتم صادقین (بقرہ/۲۳)

اگر تمھیں اس کلام کے بارے میں کوئی شک ہے جسے ہم نے اپنے بندے پر نازل کیا ہے تو اس کا جیسا ایک ہی سورہ لے آؤ اور اللہ کے علاوہ جتنے تمہارے مددگار ہیں سب کو بلا لو اگر تم اپنے دعوے اور خیال میں سچے ہو۔

آیت کریمہ میں ایک سورہ بنا لانے کی بات اس لیے کی گئی ہے تا کہ خدا کی طرف سے نازل ہونے والی لاریب و بے شک کتاب جو صدیاں گزر جانے کے باوجود کائنات کے لیے چیلنج بنی ہوئی ہے اس کے مقابلہ میں مخالفین کی عاجزی و ناتوانی ظاہر ہو جائے۔ اسی نظریہ کے پیش نظر قرآن کی متعدد آیتوں میں مخالفین کی عملی عاجزی کی وضاحت ہوئی ہے مثلاً ارشاد ہوتا ہے:

قل لئن اجتمعت الانس والجنّ علیٰ ان یاتوا بمثل هٰذا القرآن لا یاتون بمثله ولو کان بعضهم لبعض ظهیرا۔ (اسراء/۸۸)

آپ کہہ دیجیے کہ اگر انسان اور جنات سب اس بات پر متفق ہو جائیں کہ اس قرآن کا مثل لے آئیں تو بھی نہیں لا سکتے چاہے سب ایک دوسرے کے مددگار اور پشت پناہ ہی کیوں نہ ہو جائیں۔

دوسرے مقام پر ارشاد ہوتا ہے۔

ام یقولون افتراہ قل فاتوا بعشر سور مثلہ مفتریات وادعوا من استطعتم من دون اللہ ان کنتم صادقین (ھود/۱۳)

کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ قرآن بندے نے گڑھ لیا ہے تو کہہ دیجیے کہ اس کے جیسے دس سورے گڑھ کر تم بھی لے آؤ اور اللہ کے علاوہ جس کو چاہو اپنی مدد کے لیے بلالو اگر تم اپنی بات میں سچے ہو۔

مذکورہ بالا آیت سے استفادہ ہوتا ہے کہ محل بحث آیت میں "مثلہ" کی ضمیر قرآن (مما نزلنا) کی طرف پلٹ رہی ہے اور اس کا مقصد قرآن اور اس کے نئے اسلوب کے سامنے لوگوں کی عاجزی ہے کیونکہ اس آیت میں "مثل" لفظ "سور" کی صفت واقع ہوا ہے یعنی جو کچھ پیغمبرؐ لائے ہیں اس کے مانند دس سورے اس اعتبار سے "مثلہ" کی ضمیر کا پیغمبرؐ کی طرف پلٹنا ممکن نہیں ہے۔

اور اگر ضمیر کی بازگشت (عبدنا) پیغمبرؐ کی طرف ہو تو بھی کوئی ہرج نہیں ہے اس صورت میں اس کے معنی ہوں گے کہ کسی کے سامنے زانوئے ادب تہہ نہ کرنے نیز کسی سے قیمتی معارف کا درس نہ لینے والے پیغمبرؐ کی طرح قرآن جیسا کارنامہ لانے سے لوگ عاجز ہیں۔ اس صورت میں مذکورہ آیت مضمون کے اعتبار سے آیۂ کریمہ "قل لوشاء اللہ ما تلوتہ علیکم ولا ادراکم بہ فقد لبثت فیکم عمراً من قبلہ افلا تعقلون" آپ کہہ دیجیے کہ اگر خدا چاہتا تو میں تمہارے سامنے تلاوت نہ کرتا اور تمھیں اس کی اطلاع بھی نہ کرتا آخر میں اس سے پہلے بھی تمہارے درمیان ایک مدت تک رہ چکا ہوں تو کیا تمہارے پاس اتنی عقل بھی نہیں ہے" (یونس/۱۶) کے مترادف ہو جائے گی اور یہ بھی ہے کہ بعض روایات میں یہ دونوں تفسیریں ذکر ہوئی ہیں۔

واضح رہے کہ مذکورہ آیات اور مثالوں سے پتہ چلتا ہے کہ قرآن کریم کے مختصر اور چھوٹے چھوٹے سورے مثلاً سورۂ کوثر اور سورۂ عصر وغیرہ بھی معجزہ ہیں اور بعض افراد کا یہ خیال کہ "مثلہ" میں ضمیر کی بازگشت خود ان ہی سوروں (یعنی بقرہ اور یونس) کی طرف ہے جن میں یہ آیتیں ذکر ہوئی ہیں، اسلوب سخن سے تھوڑی بہت آشنائی رکھنے والوں کے لیے بھی قابل قبول نہیں ہے کیونکہ جو شخص اس بات کا قائل ہے کہ پیغمبر اسلامؐ نے قرآن کو خواہ مخواہ خدا سے منسوب کر دیا ہے، وہ پورے قرآن کی بات کرتا ہے صرف سورۂ بقرہ اور سورۂ یونس محور سخن نہیں ہوتا ہے۔

اس مقدمہ کے پیش نظر معقول نہیں ہے کہ مبارزطلبی کے باب میں ان ہی دو سوروں سے گفتگو ہو کیوں کہ

اس کی مثال ایسی ہی ہو جائے گی کہ کہا جائے کہ اگر تمہیں سورۂ کوثر اور قل ھو اللہ میں شک ہو تو سورۂ یونس اور سورۂ بقرہ جیسا سورہ بنالاؤ۔

قرآن کریم نے خود اپنے معجزہ ہونے کے بارے میں اس آیۃ کے ضمن میں یہ بات کہی ہے اور منکرین کو مقابلہ کی دعوت بھی دی ہے جس کی بازگشت حقیقت میں دو قسم کے ادعا کی طرف ہوتی ہے۔ ۱۔ اصل معجزہ کا وقوع۔ ۲۔ دوسرے قرآن کا' اس کا ایک مصداق قرار پانا۔ ظاہر سی بات ہے کہ اگر ہم دوسرا مدعا یعنی قرآن کا مصادیق اعجاز کی ایک فرد ہونا ثابت کر دیں تو پہلا مدّعا اصل معجزہ کے خارجی دنیا میں وقوع پذیر ہونے پر کسی کو اعتراض نہ ہوگا۔ اور لطف کی بات یہ ہے کہ قرآن نے اسی نہج سے چیلنج کے ذریعہ دونوں نتائج اخذ کیے ہیں اپنی جگہ پر سوال فقط یہی باقی رہ جاتا ہے کہ بنیادی طور پر اعجاز کیونکر وقوع پذیر ہو سکتا ہے۔

اس کا واقع ہونا معمول کے خلاف ہے کیونکہ کسی چیز کا عادی صورت میں واقع ہونا معیّنہ اسباب کا پابند ہوتا ہے اور علّت و معلول کا قانون ہر طرح کے استثنار سے عاری ہوتا ہے قرآن' ذہن میں اٹھنے والے سوال کا جواب دیتے ہوئے حقیقت بیان کرتا ہے اور وہ دو محور پر بحث و گفتگو کرتا ہے۔

۱۔ اعجاز کا وجود جس کا ایک مصداق خود قرآن ہے۔ قرآن ان دونوں موضوعات کو مبازطلبی کے ذریعہ ثابت کرتا ہے۔

۲۔ معجزہ کی حقیقت کا بیان کہ طبیعت و معمول سے ہٹ کر ایک حادثہ کیونکر وقوع پذیر ہوتا ہے اور معمول کے مطابق قوانین کی کلیّت کو توڑتا ہے۔ ہم ان دونوں مطالب کو جُدا جُدا بیان کریں گے۔

اعجازِ قرآن :

اس میں شک نہیں کہ قرآن نے متعدد آیات میں (خواہ وہ مکی ہوں یا مدنی) اپنے معجزہ ہونے کا دعویٰ کیا ہے اور اس کی تمام آیتوں سے تائید ہوتی ہے کہ قرآن معجزہ اور معمول سے بالاتر چیز ہے۔ حتیٰ مذکورہ آیت "وان کنتم فی ریب مما نزلنا علی عبدنا فاتوا بسورۃ من مثلہ" میں "مثلہ" کی ضمیر پیغمبر اسلام کی طرف بھی پلٹائی جا سکتی ہے جس کی بنا پر آیت براہِ راست اعجاز قرآن پر دلالت کرتی ہے البتہ حضورؐ کے لائے ہوئے سوروں جیسے سورے بنا کر لانے کا چیلنج بالواسطہ پیغمبر اسلامؐ کی نبوت پر دلالت کرتا ہے جس کی دلیل یہ ہے کہ اس آیت کی ابتدا میں ارشاد ہوتا ہے: جو کچھ میں نے اپنے بندے پر نازل کیا ہے اس میں اگر تمہیں شک ہو...... یہ نہیں فرمایا کہ:

اگر میرے بندے کی نبوت میں شک ہو!

بہر حال قرآن میں اس طرح کے جتنے بھی چیلنج آئے ہیں وہ خود قرآن کے معجزہ ہونے پر دلالت کرتے ہیں۔

البتہ یہ آیتیں عمومیت کے لحاظ سے آپس میں مختلف ہیں مثلاً آیت کریمہ قل لئن اجتمعت الانس والجن علیٰ ان یاتو ابمثل ھٰذا القرآن لایاتون بمثلہ ولوکان بعضھم لبعض ظھیرا آپ کہہ دیجیے کہ اگر انسان اور جنات سب اس بات پر متفق ہو جائیں کہ اس قرآن کا مثل لے آئیں تو بھی نہیں لا سکتے چاہے سب ایک دوسرے کے مددگار اور پشت پناہ ہی کیوں نہ ہو جائیں (اسراء/۸۸) مکی آیت ہے جو قرآن کے عمومی چیلنج پر بخوبی دلالت کرتی ہے اس اعتبار سے کہ یہ چیلنج قرآنی فصاحت و بلاغت اور اسلوب کے لحاظ سے نہیں ہے کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو یہ چیلنج ایک مخصوص جماعت اور معین گروہ یعنی ایام جاہلیت اور جاہلیت و اسلام دونوں زمانوں کا مشاہدہ کرنے والے افراد سے متعلق ہوتا جبکہ ایسا نہیں ہے آیت بغیر کسی تخصیص و استثنار کے بآواز بلند پوری دنیا والوں کو مقابلہ کی دعوت دیتی ہے۔

اسی طرح وہ تمام امتیازات ہیں جن پر قرآن مشتمل ہے مثلاً معارف، اخلاق، شرعی احکام، غیبی خبریں اور دوسرے حقائق کہ جن پر سے نزول قرآن کے وقت تک پردہ نہیں اٹھا تھا لہٰذا یہ ممکن نہیں ہے کہ آیت کا چیلنج مذکورہ امور میں سے کسی ایک سے متعلق ہو بلکہ یہاں تمام امور سے تعلق رکھتا ہے جن میں برتری کا تھوڑا سا بھی تصور ہو۔

یعنی قرآن ہر طبقہ اور ہر گروہ کے لیے معجزہ ہے سخن سنج افراد کے لیے بلاغت کے اعتبار سے، حکماء کے لیے حکمت کے اعتبار سے، دانشوروں کے لیے علمی گوشوں کے اعتبار سے، اجتماعیات سے دلچسپی رکھنے والوں کے لیے اجتماعی اور سماجی اعتبار سے، قانون گزاروں کے لیے عملی قوانین کے اعتبار سے سیاست دانوں کے لیے سیاسی اعتبار سے، حکمرانوں کے لیے طرز حکومت کے اعتبار سے، اسی طرح پوری دنیا والوں کے لیے ان امور کے اعتبار سے بھی جن پر انھیں اختیار نہیں ہے مثلاً غیبی علوم اور احکام و بیانات میں تناقض گوئی سے اجتناب!

اس بنا پر قرآن تمام جہتوں سے اعجاز کا دعوے دار ہے اس لیے کہ اس کا چیلنج عمومیت رکھتا ہے اور جن و بشر، دانا و ناداں، مرد و عورت، اپنے کام میں ماہر اور عادی افراد، یہ تمام لوگ اگر صحیح سمجھ رکھتے ہوں تو اسے بخوبی محسوس کر سکتے ہیں کیونکہ انسان فطری الہام کے مطابق فضیلت کو درک کرتا ہے اور اس کے درجات کی بلندیوں کو سمجھتا ہے۔

لہٰذا جو شخص خود اپنے یا دوسرے کے اندر جس فضیلت کا تصور کرتا ہے اس میں غور وفکر کرے اور اس کا قرآن کے ساتھ موازنہ کرے اور پھر حق وانصاف کے ساتھ کوئی فیصلہ کرے۔ کیا انسانی فکر قرآن کی طرح مستدل الٰہی معارف پیش کر سکتی ہے؟ یا یہ کہ قرآن کی طرح حقائق کی بنیادوں پر استوار اخلاق فاضلہ جیسے پاکیزہ اخلاقیات سماج کے حوالہ کر سکتی ہے؟ کیا یہ انسانی عقل کے بس میں ہے کہ ایسے فقہی احکام کی تدوین کا عمل انجام دے سکے جو تناقض واختلاف سے عاری اور رُوح توحید وتقویٰ کا حامل ہو اور زندگی کے تمام شعبوں پر محیط ہو؟ کیا یہ ممکن ہے کہ حکم واستحکام اور متانت کا یہ عجیب وغریب احصار، مطالب ومضمون کے اعتبار سے بھی حیرت انگیز ہو اور اسے ایسا شخص پیش کرے جس نے کسی کے سامنے زانوئے ادب تہ نہ کیا ہو اور ایسے ماحول میں پرورش پائی ہو جن کا انسانیت سے ربط صرف اتنا تھا کہ اس کے پروردہ لوٹ مار کے ذریعہ زندگی گزارتے تھے، لڑکیوں کو زندہ در گور کرتے تھے اور فقر وتنگدستی کے خوف سے بچوں کو مار ڈالتے تھے، اپنے آباء واجداد پر فخر کرتے تھے اور ماں کے ساتھ شادی رچاتے تھے، بدکرداری پر مباہات کرتے تھے، علم کو کمتر چیز سمجھ کر جہل ونادانی کا مظاہرہ کرتے تھے۔ اس جھوٹی آن بان کے باوجود ہر شخص کے سامنے ذلیل اور ہر حملہ آور کے سامنے خاضع نظر آتے ایک دن ملک حبشہ کے سامنے ہتھیار ڈالتے تو دوسرے دن ملک روم کے سامنے اور کسی دن ملک ایران کے سامنے۔ جاہلیت کے زمانے میں عربوں کا یہی حال تھا۔

ایسے ماحول میں پلنے والا کوئی انسان یہ کہنے کی جرأت کیسے کر سکتا ہے کہ میں ایسی کتاب لایا ہوں جس میں پوری دنیا کے لیے راہنمائی ہے اور اسی کے ساتھ ساتھ اس میں گذشتہ اور آیندہ غیبی خبروں کی فراوانی ہے۔ اس میں ماضی کی تاریخ کے چند ابواب اور آنے والی نسلوں کے اہم حوادث موجود ہیں اور وہ امور جو لوگوں کی نگاہوں سے پوشیدہ ہیں اس میں پائے جاتے ہیں اور بعد میں ثابت ہو کہ بیان شدہ امور میں سے ایک چیز میں بھی ذرہ برابر فرق نہیں ہے؟!!

کیا ایک انسان جو خود اس مادّی دنیا کا ایک جز ہے، اس چیز کے پیش نظر کہ دنیا ہمیشہ سے انقلاب وترقی کی راہ پر گامزن ہے، اس بات پر اختیار رکھتا ہے کہ انسانی دنیا کے مختلف شعبوں میں دخل دے اور معارف، علوم قوانین، اسرار، پند ونصائح، مثلیں اور ہر قسم کی چھوٹی بڑی داستانیں لوگوں کے سامنے پیش کرنے کے ساتھ ساتھ اپنی یک رنگی اور مرحلۂ کمال پر باقی بھی رہے یا یہ کہ برسوں کی مدت میں تدریجاً اپنی بات بیان کرے، حتیٰ بعض حادثات کے بیان کو مکرر در مکرر ذکر کرے جس میں کا ایک واقعہ دوسرے واقعہ کی فرع ہو، مختصر یہ کہ انسان جس کی فکر ہمیشہ

تبدیل ہوتی رہتی ہے وہ ایک عرصہ کے دوران حقائق کے بیان میں کیونکر یکسانیت باقی رکھ سکتا ہے؟

لہٰذا ہر سمجھ دار جوان مطالب کو سمجھ سکتا ہے وہ یقیناً جان لے گا کہ قرآن ان اہم امتیازات کا مالک ہے جو عام طور پر انسانی توانائی اور مادی وسائل سے بالاتر ہے اور بالفرض اسے ان امور میں مہارت نہ بھی ہو تو کم از کم اپنی انسانی فطرت کی طرف رجوع کرتے ہوئے اپنے ضمیر کی آواز سنے گا۔ جو اسے ان امور میں ماہر، لائق افراد سے رجوع کرنے کا حکم دیتی ہے۔

اعتراض:

ممکن ہے کوئی یہ کہے کہ قرآن نے اس چیلنج میں خواص کے دائرہ سے خارج ہو کر دنیا کے عام لوگوں کو کیوں مخاطب کیا ہے جبکہ عوام اور جاہل افراد ہر طرح کے دعوے سے بہت جلد متاثر ہو جاتے ہیں حتیٰ وہ بابیوں بہائیوں اور قادیانیوں کی بات بھی مان لیتے ہیں جبکہ ان کے استدلالات اور باتیں ہذیان سے زیادہ کچھ نہیں ہوتیں۔

جواب:

واضح رہے کہ ایک عمومی اعجاز کے اثبات کے لیے عمومی چیلنج کے علاوہ اور کوئی راستہ نہیں ہے اور کسی کمال کی تشخیص اور کسی موضوع کی برتری جس کے مختلف مدارج ہوں اس کے لیے اس کے علاوہ اور کوئی راستہ نہیں ہے البتہ کمالات کی تشخیص کے معاملہ میں افراد کی سمجھ کی طرح کمالات کے بھی مختلف مدارج ہیں۔ نتیجہ یہ نکلے گا کہ ایک موضوع پر دوسرے موضوع کی برتری کی تشخیص کے لیے صاحبان فہم و نظر خود تحقیق کے میدان میں وارد ہوں اور دوسرے افراد جو اس کی صلاحیت نہیں رکھتے فطری الہام کی بناء پر ارباب تحقیق سے رجوع کریں اور حقائق کو سمجھیں اور یہ بات خود توجہ کی مستحق ہے کہ ان تمام موضوعات کے درمیان کوئی چیز ایسی نہیں ہے جس میں عمومیت ہو اور ہر وقت اور ہر جگہ اور ہر شخص کے لیے قابلِ حصول ہو سوائے "علم" کے جیسا کہ بیان ہوا (یعنی ایک گروہ تحقیق کرے اور دوسرا اس کی تحقیق سے استفادہ کرے۔)

اس بناء پر علم و معرفت کے علاوہ ہر معجزہ طبیعی موجودات اور حسی حوادث کا جزو ہے اور نتیجتاً مادی قوانین اور معین زمان و مکان میں منحصر ہے لہٰذا کچھ لوگوں کے لیے ہی محسوس کے قابل ہے اور بفرض محال اگر تمام افراد ایک مقام پر جمع ہو کر دیکھنا چاہیں تو بھی ایک خاص مکان سے مخصوص ہوگا بالفرض اگر تمام جگہوں پر موجود ہوگا تو ہر زمانہ

میں اس کا وجود ممکن نہ ہوگا۔

یہ تھا ہر زمانہ اور ہر جگہ کے تمام لوگوں کی نسبت قرآن حکیم کا عمومی چیلنج۔

اعجاز قرآن باعتبار علم:

قرآن کریم میں اس آیت کریمہ "ونزّلنا علیك الکتاب تبیانا لکلّ شیٔ" اور ہم نے آپ پر کتاب نازل کی ہے جس میں ہر شے کی وضاحت موجود ہے۔ (نحل/۸۹) اسی طرح آیۃ "لا رطب ولا یابس الّا فی کتاب مبین" کوئی خشک و ترایسا نہیں ہے جو کتاب مبین کے اندر موجود نہ ہو (انعام/۵۹) اور دوسری بہت سی آیات کے ذریعہ علم کے سلسلہ میں چیلنج کیا ہے کیونکہ جو شخص اسلام کی اعلیٰ تعلیمات ــــــ قرآن کریم کی بیان کردہ کلیات اور وہ جزئیات جو آیۃ کریمۃ "ما آتاکم الرّسول فخذوہ وما نھاکم عنہ فانتھوا" جو کچھ بھی رسول تمہیں دے دے اسے لے لو اور جس چیز سے منع کرے اس سے رک جاؤ (حشر/۷) اور آیت "لتحکم بین النّاس بما اراك اللّٰہ" کہ لوگوں کے درمیان حکم خدا کے مطابق فیصلہ کریں (نساء/۱۰۵) سے حاصل ہوتے ہیں ــــــ میں غور کرے تو اسے معلوم ہوگا کہ معارف الٰہی، اخلاق فاضلہ، فرعی احکام و قوانین، عبادات، معاملات، سیاسیات اور اجتماعیات مختصر یہ کہ جو چیز انسان سے تھوڑا سا بھی ربط رکھتی ہے اسے بیان کیا ہے اور اس میں اس چیز کا لحاظ رکھا گیا ہے کہ وہ سب کے سب فطرت اور اصل توحید کی بنیاد پر اس طرح استوار ہیں کہ تجزیہ و تحلیل کے بعد اس کی بازگشت اصل توحید کی طرف ہوتی ہے۔

حتیٰ ان آیات میں احکام کے دوام و بقا اور ہر زمانہ میں اس کے بشری مصالح کے مطابق ہونے کا اعلان ہے مثلاً ارشاد ہوتا ہے "وانّہ لکتاب عزیز لا یاتیہ الباطل من بین یدیہ ولا من خلفہ تنزیل من حکیم حمید" یہ ایک عالی مرتبہ کتاب ہے جس کے قریب، سامنے یا پیچھے کسی طرف سے باطل آ بھی نہیں سکتا ہے کہ یہ خدائے حکیم و حمید کی نازل کی ہوئی کتاب ہے (حم سجدہ/۴۲) اور "انّا نحن نزّلنا الذکر وانّا لہ لحافظون" ہم نے ہی اس قرآن کو نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں (حجر/۹)

یعنی قرآن ایسی عظیم کتاب ہے جس پر نسخ کا غبار نہیں بیٹھتا اور تبدیلی اور ترقی کے ہاتھ کی اس کے دامن تک رسائی نہیں ہے۔

اعتراض :

ممکن ہے کوئی یہ کہے کہ اجتماعی علوم، حقوق وقانون گذاری کے ماہرین کا خیال یہ ہے کہ اجتماع اور اس کے حالات میں تبدیلی، زمان ومکان کے اختلاف اور تمدّن کی ترقّی کے تقاضے کی بنا پر اجتماعی قوانین میں بھی انقلاب آنا چاہیے۔

جواب :

قرآن کے آسمانی قوانین اور بشری قوانین میں ایک بنیادی فرق یہ ہے کہ قرآن، احکام اور قانون گزاری کی بنیاد توحید اور اخلاق فاضلہ پر رکھتا ہے اور کہتا ہے کہ احکام کو انسان کے طرز آفرینش سے بہرہ مند ہونا چاہیئے لیکن بشری قانون گزاروں نے معنویات (توحید فطری ـــ جبلّی اخلاق) کو اپنے قانونی اور حقوقی مطالعات سے حذف کردیا ہے اور قانون کو مزاج قرآن کے برخلاف روح فضیلت سے قطع نظر دوسری بنیادوں، اجتماع میں تبدیلی اور انسان کے ترقّی پذیر مادّی سفر پر استوار کیا ہے جبکہ صحیح و درست بنیاد وہی ہے جسے قرآن نے اخذ کیا ہے۔

اعجاز قرآن اس لحاظ سے کہ کس پر نازل ہوا ہے :

پیغمبر اسلام جنھوں نے کسی دنیوی درسگاہ اور استاد سے استفادہ نہیں کیا اور ان پر قرآن نازل ہوا، قرآن ان کے ذریعہ چیلنج کرتا ہے اور کہتا ہے "قل لوشاء الله ماتلوته علیکم ولا ادریکم به فقد لبثت فیکم عمراً من قبله افلا تعقلون" آپ کہہ دیجیے کہ اگر خدا چاہتا تو میں تمہارے سامنے تلاوت نہ کرتا اور تمھیں اس کی اطلاع بھی نہ کرتا آخر میں اس سے پہلے بھی تمہارے درمیان ایک مدت تک رہ چکا ہوں تو کیا تمھارے پاس اتنی عقل بھی نہیں ہے (یونس ر۱۶) ہم سب باخبر ہیں کہ پیغمبر اسلامؐ لوگوں کے درمیان مدّتوں ان ہی کے مانند زندگی گزارتے رہے تھے اور ساتھ اٹھنے بیٹھنے والے معلومات کے اعتبار سے انھیں دوسروں سے ممتاز خیال نہیں کرتے تھے نہ ہی حضورؐ نے کبھی علمی حقائق یا اہم منثور یا منظوم معلومات ان کے سامنے بیان کیں اور آپ نے اپنی عمر کا دو تہائی حصّہ یعنی چالیس سال یونہی گزارا اور علمی لحاظ سے دوسروں کی طرح معمولی زندگی گزارتے رہے، لیکن اچانک ایسی باتیں اور کلمات بیان کرنے لگے کہ جس کے سامنے بڑے بڑے ادیب اور عرب کے سخن سنج عاجز رہ گئے اور کچھ ہی دنوں میں آپ نے انھیں پوری دنیا میں پھیلا دیا اور سب کو مقابلہ اور معارضہ کی دعوت دے دی لیکن کسی نابغۂ روزگار یا متبحر دانشو

کو مقابلہ میں آنے کی ہمت نہ ہوئی۔

مخالفین نے بہت زیادہ ہمت کی تو اتنا کہہ سکے کہ حضورؐ، تجارت کی خاطر شام تشریف لے گئے آپ نے وہاں کے راہبوں سے قرآن کی داستانیں سیکھیں، لیکن یہ واضح رہے کہ آپ ایک مرتبہ بلوغ سے پہلے اپنے چچا ابوطالبؑ کے ہمراہ اور دوسری مرتبہ ۲۵ برس کے سن میں خدیجۃ الکبریٰؑ کے غلام، میسرہ کے ساتھ تشریف لے گئے اور دن و رات اپنے ساتھیوں کے ساتھ رہے جن سے کوئی بات چھپا ہی نہیں سکتے تھے بالفرض اگر کسی سے یہ مطالب سیکھے بھی تھے تو یہ احکام، معارف، حکمتیں اور قرآنی حقائق کہاں سے لائے؟ اور بیان و بلاغت کی یہ لطافت جس نے عرب کے فصحار اور بزرگوں کو گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر دیا، کس ذریعہ سے انھیں حاصل ہوئے؟

بعض افراد کے اس قول کا کہ حضورؐ نے مکہ میں ایک رومی شمشیر ساز سے دوستی کر کے یہ باتیں سیکھی تھیں، اس کا خدا نے قرآن میں واضح و روشن جواب دیا ہے جیسا کہ فرماتا ہے:

"ولقد نعلم انّهم يقولون انّما يعلّمه بشر لسان الّذى يلحدون اليه اعجمى وهذا لسان عربى مبين"۔ "ہم خوب جانتے ہیں کہ مشرکین یہ کہتے ہیں کہ انھیں کوئی انسان اس قرآن کی تعلیم دے رہا ہے حالانکہ جس کی طرف یہ نسبت دیتے ہیں وہ عجمی ہے اور یہ زبان عربی واضح و فصیح ہے (نحل/۱۰۳)

اس سے عجیب بات یہ ہے کہ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ پیغمبر اسلامؐ نے کچھ باتیں سلمان سے سیکھی تھیں کیونکہ ان کا تعلق ایران کے علمار سے تھا اور وہ ادیان و مذاہب سے آشنائی رکھتے تھے جبکہ حقیقت یہ ہے کہ سلمان نے مدینہ آکر اسلام قبول کیا ہے اور قرآن کا زیادہ حصہ مکہ میں نازل ہو چکا تھا اور مدنی سوروں میں جو معارف اور ماضی کے حقائق اور تاریخ ملتی ہے وہ مکی سوروں میں بھی پائی جاتی ہے تو سلمان یا دوسرے صحابہ نے کون سی نئی بات حضرتؐ کو سکھائی تھی؟

اس سے بالاتر جو شخص عہدین (توریت ــــ انجیل) کا بغور مطالعہ کرنے کے بعد قرآن کا مطالعہ کرے اور اس میں انبیار اور ان کی سابقہ امتیوں کی تاریخ ملاحظہ کرے تو اسے اندازہ ہو جائے گا کہ ان دونوں تاریخوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے، عہدین کی کتابوں میں بزرگ انبیار کی طرف ایسے گناہوں اور لغزشوں کی نسبت دی گئی ہے کہ خدا کے بزرگ انبیار تو درکنار معمولی انسان اسے برداشت نہیں کر سکتا لیکن قرآن نے انھیں ان تہمتوں سے پاک و پاکیزہ جانا ہے اس سے قطع نظر عہدین میں ایسے مطالب بیان ہوئے ہیں جن کا تعلق نہ دینی معارف سے

ہے اور نہ مذہبی اخلاق سے ہے، شاید ان کا بڑا حصّہ کچھ اسی قسم کا ہے جبکہ قرآن میں معارف، اخلاق اور احکام کے علاوہ اور کوئی چیز دکھائی نہیں دیتی۔

اعجاز قرآن باعتبار اخبار غیبی:

قرآنی چیلنج کا ایک حصّہ غیبی خبروں سے متعلق ہے جسے بہت سی آیتوں میں بیان کیا گیا ہے منجملہ اس کے گزشتہ انبیاء اور ان کی امتوں کی سرگذشت ہے قرآن کہتا ہے:

تلك من انباء الغيب نوحيها اليك ماكنت تعلمها انت ولاقومك من قبل هذا

"پیغمبر یہ غیب کی خبریں ہیں جن کی ہم آپ کی طرف وحی کر رہے ہیں جن کا علم نہ آپ کو تھا اور نہ آپ کی قوم کو" (هود/۴۹)

اسی طرح جناب یوسفؑ کے حالات نقل کرنے کے بعد ارشاد ہوتا ہے:

ذالك من انباء الغيب نوحيه اليك وماكنت لديهم اذ اجمعوا امرهم وهم يمكرون"

"پیغمبر! یہ سب غیب کی خبریں ہیں جنھیں ہم وحی کے ذریعہ آپ تک پہنچا رہے ہیں ورنہ آپ تو اس وقت نہ تھے جب وہ لوگ اپنے کام پر اتفاق کر رہے تھے اور یوسفؑ کے بارے میں بری تدبیریں کر رہے تھے۔ (یوسف/۱۰۲)

داستان مریم کے سلسلہ میں ارشاد ہوتا ہے:

"ذالك من انباء الغيب نوحيه اليك وماكنت لديهم اذ يلقون اقلامهم ايهم يكفل مريم وماكنت لديهم اذ يختصمون"

پیغمبر! یہ غیب کی خبریں ہیں جن کی وحی ہم آپ کی طرف کر رہے ہیں اور آپ تو ان کے پاس نہیں تھے جب وہ قرعہ ڈال رہے تھے کہ مریمؑ کی کفالت کون کرے گا اور آپ ان کے پاس نہیں تھے جب وہ اس موضوع پر جھگڑا کر رہے تھے (آل عمران/۴۴)

پھر ارشاد ہوتا ہے:

"ذالك عيسى بن مريم قول الحق الذى فيه يمترون" یہ ہے عیسیٰ بن مریم کے بارے میں قول حق جس میں یہ لوگ شک کر رہے ہیں (مریم/۳۴)

قرآن کی غیبی خبروں میں آئندہ حوادث کی باتیں ہیں مثلاً ارشاد ہوتا ہے :

غلبت الروم فی ادنی الارض وهم من غلبهم سیغلبون فی بضع سنین۔

روم والے مغلوب ہوگئے ، قریب ترین علاقہ میں لیکن یہ مغلوب ہوجانے کے بعد عنقریب پھر غالب ہوجائیں گے (روم / ۳) ہجرت کے بعد پیغمبرؐ کی مکہ واپسی کے بارے میں ارشاد ہوتا ہے :

"ان الذی فرض علیك القرآن لرادك الی معاد" بیشک جس نے آپ پر قرآن کا فریضہ عائد کیا ہے وہ آپ کو آپ کی منزل تک ضرور واپس پہنچائے گا۔ (قصص / ۸۵)

اور آیۃ "لتدخلن المسجد الحرام ان شاء الله آمنین محلقین رؤسکم و مقصرین لاتخافون" اگر خدا نے چاہا تم لوگ مسجد حرام میں امن وسکون کے ساتھ سر کے بال منڈوا کر اور تھوڑے سے بال کاٹ کر داخل ہوگے اور تمھیں کسی قسم کا خوف نہ ہوگا (فتح / ۲۷)

اسی طرح دوسرے مقامات پر ارشاد ہوتا ہے :

سیقول المخلفون اذا انطلقتم الی مغانم لتاخذوها ذرونا نتبعکم "عنقریب یہ پیچھے رہ جانے والے تم سے کہیں گے جب تم مال غنیمت لینے کے لیے جانے لگو گے کہ اجازت دو ہم بھی تمہارے ساتھ چلے چلیں (فتح / ۱۵)

"والله یعصمك من الناس" خدا آپ کو لوگوں کے شر سے محفوظ رکھے گا۔ (مائدہ / ۶۷)

اور آیۃ انا نحن نزلنا الذکر و انا له لحافظون ہم نے ہی اس قرآن کو نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔ (حجر / ۹)

اسی طرح بہت سی آیتیں ہیں جن میں مسلمانوں کو نیک انجام اور کفار و مشرکین مکہ کی بدعاقبتی کی خبر دی گئی ہے ——— اور بہت سی آیتیں ہیں جن میں آئندہ حوادث سے باخبر کیا گیا ہے۔ مثلاً :

وحرام علی قریة اهلکناها انهم لایرجعون حتی اذا فتحت یاجوج وماجوج وهم من کل حدب ینسلون واقترب الوعد الحق فاذا هی شاخصة ابصار الذین کفروا یا ویلنا قد کنا فی غفلة من هذا بل کنا ظالمین"

اور جس بستی کو ہم نے تباہ کر دیا ہے اس کے لیے بھی ناممکن ہے کہ قیامت کے دن ہمارے پاس پلٹ کر نہ آئے یہاں تک کہ جب یاجوج وماجوج آزاد کر دیے جائیں گے اور زمین کی ہر بلندی سے

دوڑتے ہوئے نکل پڑیں گے اور اللہ کا سچا وعدہ قریب آجائے گا تو سب دیکھیں گے کہ کفار کی آنکھیں پتھرا گئی ہیں اور وہ کہہ رہے ہیں وائے برحال ما ہم اس کی طرف سے بالکل غفلت میں پڑے ہوئے تھے بلکہ ہم اپنے نفس پر ظلم کرنے والے تھے (انبیاء / ۹۷)

اور آیۃ "وعد اللّٰہ الذین آمنوا منکم وعملوا الصالحات لیستخلفنھم فی الارض" اللہ نے تم میں سے صاحبان ایمان و عمل صالح سے وعدہ کیا ہے کہ انھیں روئے زمین پر اسی طرح اپنا خلیفہ بنائے گا جس طرح پہلے والوں کو بنایا ہے (نور / ۵۵)

اور آیۃ "قل ھو القادر علی ان یبعث علیکم عذابا من فوقکم" کہہ دیجیے کہ وہی اس بات پر بھی قادر ہے کہ تمہارے اوپر سے یا پیروں کے نیچے سے عذاب بھیج دے۔ (انعام / ۶۵)

بہت سی ایسی آیتیں ہیں جن میں آج کے مسلّم علمی مسائل کا بیان ہے اس زمانہ میں وہ عقل بشر کی آنکھوں سے پوشیدہ تھے لیکن موجودہ زمانہ کی بحث و گفتگو اور تحقیق نے ان پر سے پردہ ہٹا دیا ہے مثلاً: "ارسلنا الریاح لواقح" ہم نے ہواؤں کو بھیجا تاکہ وہ درختوں میں پیدائش کا مادّہ منتقل کریں (حجر / ۲۲) آیۃ "وانبتنا فیھا من کل شئی موزون" اور ہر چیز کو معینہ مقدار کے مطابق پیدا کیا ہے (حجر / ۱۹) اور آیۃ "والجبال اوتادا" زمین پر پہاڑوں کی میخیں نصب کی ہیں۔ (نباء / ۷)

اس کے علاوہ غیبی خبروں پر مشتمل بہت سی آیتیں ہیں جو دنیا کے اہم حوادث کی عموماً اور مسلمانوں کے حالات کی خصوصاً حکایت کرتی ہیں مثلاً:

"یا ایھا الذین آمنوا من یرتد منکم عن دینہ فسوف یاتی اللّٰہ بقوم یحبھم ویحبونہ" ایمان والو تم میں سے جو بھی اپنے دین سے پلٹ جائے گا تو عنقریب خدا ایک قوم کو لے آئے گا جو اس کی محبوب اور اس سے محبت کرنے والی ہوگی (مائدہ / ۵۴)

"ولکل امۃ رسول فاذا جاء رسولھم قضی بینھم بالقسط" (یونس / ۴۷)

اور ہر امت کے لیے ایک رسول ہے اور جب رسول آجاتا ہے تو ان کے درمیان عادلانہ فیصلہ ہو جاتا ہے۔

آیۃ "فاقم وجھک للدین حنیفا فطرت اللّٰہ التی فطر الناس علیھا" آپ اپنے رُخ کو دین کی طرف رکھیں اور باطل سے کنارہ کش رہیں کہ یہ دین وہ فطرت الٰہی ہے جس پر اس نے انسانوں کو پیدا کیا ہے (روم / ۳۰) اور اسی طرح کی بہت سی آیتیں ہیں۔

اعجازِ قرآن اختلاف نہ ہونے کے لحاظ سے :

قرآن کریم نے خود اپنے اندر اختلاف نہ پائے جانے کے ذریعہ بھی چیلنج کیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے :

"ولو کان من عند غیر اللہ لوجدوا فیہ اختلافاً کثیراً"

کیا یہ لوگ قرآن میں غور و فکر نہیں کرتے ہیں کہ اگر وہ غیر خدا کی طرف سے ہوتا تو اس میں بڑا اختلاف ہوتا۔ (نساء / ۸۲)

یہ بات بھی واضح اور روشن ہے کیونکہ یہ دنیا مادّہ کی دنیا ہے اور تبدیلی و ترقی کا قانون ہر چیز پر حاکم ہے اور ہر وجود تدریجاً نقص سے کمال کی طرف بڑھ رہا ہے اور ارتقار کا قانون خود اس کا اور اس کے اعمال و آثار کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ انسان بھی جو اسی کائنات کی ایک مخلوق ہے طبیعی طور پر اسی قانون کے تابع ہے اور ہمیشہ اس کی تمام چیزیں حتیٰ کہ اس کے فکری آثار تغیر و ارتقار کے مرہون منت ہیں، ہم میں سے ہر ایک اس حقیقت کو اپنی زندگی میں محسوس کرتا ہے کہ اس نے گزشتہ کل کی بہ نسبت مزید کمال حاصل کر لیا ہے اور رفتہ رفتہ اپنے گزشتہ اشتباہات اور غلطیوں کی طرف متوجہ ہوتا جاتا ہے، یہ ایسی حقیقت ہے جس کا ہر عقلمند معترف ہے۔

یہ بھی معلوم ہے کہ قرآن رفتہ رفتہ ۲۳ سال کی مدت میں مختلف حالات و شرائط کے تحت مکہ، مدینہ، دن، رات، سفر، حضر، جنگ، صلح، سختی اور شکنجہ کے زمانے میں اور فتح و ظفر کے دور میں، امن و امان کے ماحول میں اور بدامنی کے حالات میں وہ بھی معارف، اخلاق اور دینی قوانین کی تشریح کے طرح طرح کے مطالب اور مختلف موضوعات کے ہمراہ نازل ہوا ہے۔ ان تمام باتوں کے باوجود اس کی وضع و ترتیب اور مطالب میں ذرہ برابر اختلاف، منافات اور تناقض ڈھونڈے نہیں ملتا بلکہ اس کا ایک حصّہ دوسرے کی وضاحت، ایک آیت دوسری آیت کی تفسیر بیان کرتی ہے جیسا کہ حضرت علیؑ فرماتے ہیں اس کا بعض، بعض حصّے کی وضاحت کرتا ہے اور ایک باب دوسرے باب پر گواہ ہے۔

مختصر یہ کہ قرآن کریم کے تمام مطالب پر ایک مخصوص یکسانیت و ہم آہنگی حکومت کرتی ہے اور اگر یہ بدلتی ہوئی بشری افکار کا نتیجہ ہوتا تو فصاحت و شیرینی، بیان مطالب، صحت و فساد، عمق و استحکام کے اعتبار سے اس کے اسلوب اور نظم میں نمایاں فرق و اختلاف ہوتا۔

ممکن ہے کہا جائے کہ یہ ایک دعویٰ سے زیادہ نہیں ہے کیونکہ مخالفین نے قرآن میں موجود تناقض، اشکالات وغیرہ جمع کیے ہیں اور اس سلسلہ میں انھوں نے کتابیں بھی لکھی ہیں اور ان کے یہ اعتراضات لفظوں کے اعتبار سے فصاحت و بلاغت پر اور معنی کے اعتبار سے قرآن کے علمی آرار و نظریات پر ہیں اور ان اعتراضات کے جوابات جو مسلمانوں کی طرف سے دیے گئے ہیں ان کی بازگشت عموماً تاویلات کی طرف ہوتی ہے جو قانون کی رو سے محکم، متین

اور دل نشین کلمات کا نقش ہے۔

اس کے جواب میں یہ کہنا چاہیے کہ مخالفین کا یہ اعتراض ہمارے مدّعا کے مقابل بے دلیل گفتگو ہے کیونکہ جو باتیں یہ لوگ اب کر رہے ہیں مسلمانوں نے بہت پہلے اس قسم کے احتمالی و امکانی اعتراضات کے بنیادی، قانع کنندہ اور مفصّل جوابات اپنی تفسیروں میں بیان کر دیے ہیں اور انھیں کتابی صورت میں عوام کے حوالہ بھی کر دیا ہے ان تمام مراحل کے بعد بھی اس قسم کے اعتراضات نادانی نہیں تو اور کیا ہے؟

مخالفین نے صرف اور صرف یہ کام کیا ہے کہ اسلامی کتابوں سے ممکنہ اعتراضات کو جمع کر کے ان کے جوابات حذف کر دیے اور اپنی طرف سے ایک کتاب بنا کر شائع کر دی

پھر بھی ممکن ہے کوئی یہ اعتراض کرے کہ قرآن میں نسخ واقع ہوا ہے کیا قرآن نہیں کہتا کہ "ما ننسخ من آیۃ او ننسھا نات بخیر منھا او مثلھا" ہم جب بھی کسی آیت کو منسوخ کرتے ہیں یا دلوں سے محو کر دیتے ہیں تو اس سے بہتر یا اس کی جیسی آیت ضرور لے آتے ہیں (بقرہ/۱۰۶) اور "واذا بدّلنا آیۃ مکان آیۃ واللّٰہ اعلم بما ینزّل" اور جب ہم ایک آیت کی جگہ پر دوسری آیت تبدیل کرتے ہیں تو اگرچہ خدا خوب جانتا ہے کہ وہ کیا نازل کر رہا ہے..... (نحل/۱۰۱)

اب اگر ہم یہاں پر تناقض کی بات نہ کہیں پھر بھی نسخ کا مفہوم اختلافِ نظر اور تجدید رائے کے علاوہ کیا کوئی اور چیز ہو سکتی ہے۔

اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ بطور مسلّم نسخ پر نہ تو تناقض صادق آتا ہے اور نہ ہی اختلافِ نظر اور تجدید رائے بلکہ یہ صرف ایک حکمی اختلاف ہے جو مصداق کے اختلاف سے پیدا ہوتا ہے اس اعتبار سے کہ ایک مصداق معیّن شرائط کے ساتھ ممکن ہے اپنے ساتھ مصلحتیں رکھتا ہو جس کی وجہ سے ایک مخصوص حکم لگایا جاتا ہو اور جیسے ہی وہ مخصوص حالات بدلے اور مصلحت ختم ہوئی اس کا حکم بھی تبدیل ہو جاتا ہے اس کی روشن دلیل یہ ہے کہ قرآن کی منسوخہ آیتیں عموماً مختلف لفظی قرینوں کے ساتھ ہوتی ہیں اور در پردہ ہم سے کہتی ہیں کہ یہ حکم جلد ہی منسوخ ہونے والا ہے مثلاً آیۂ شریفہ:

"والّٰتی یاتین الفاحشۃ من نسائکم فاستشھدوا علیھنّ اربعۃ منکم فان شھدوا فامسکوھنّ فی البیوت حتّٰی یتوفّٰھنّ الموت او یجعل اللّٰہ لھنّ سبیلاً"

اور تمہاری عورتوں میں سے جو عورتیں بدکاری کریں ان پر اپنوں میں سے چار گواہوں کی گواہی لو اور جب گواہی دے دیں تو انھیں گھروں میں بند کر دو یہاں تک کہ موت آجائے یا خدا ان کے لیے کوئی

راستہ مقرر فرمائے۔ (نساء/۱۵)
جیسا کہ آپ نے ملاحظہ فرمایا آیت کا آخری جملہ حکم کی آیندہ منسوخی کی طرف درپردہ اشارہ ہے۔
اور اسی طرح آیت ودّ کثیر من اھل الکتاب لو یردّونکم من بعد ایمانکم کفّاراً ......
فاعفوا واصفحوا حتّیٰ یاتی اللہ بامرہ "بہت سے اہلِ کتاب یہ چاہتے ہیں کہ تمھیں بھی ایمان کے بعد کافر بنالیں ...... تم انھیں معاف کردو اور ان سے درگزر کرو یہاں تک کہ خدا اپنا کوئی حکم بھیج دے۔ (بقرہ/۱۰۹)
آیت کے ذیل کی تعبیر حکم کے عارضی ہونے کی طرف اشارہ کرتی ہے۔

اعجازِ قرآن باعتبارِ بلاغت:

قرآن بلاغت، شیرینی اور واضح تعبیرات کے ذریعہ بھی چیلنج کرتا ہے اور کہتا ہے:
"ام یقولون افتراہ قل فاتوا بعشر سور مثلہ مفتریات وادعوا من استطعتم من دون اللہ ان کنتم صادقین فان لم یستجیبوا لکم فاعلموا انّما انزل بعلم اللہ وان لاالٰہ الّا ھو فھل انتم مسلمون"
کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ قرآن بندے نے گڑھ لیا ہے تو کہہ دیجیے کہ اس کے جیسے دس سورہ گڑھ کر تم بھی لے آؤ اور اللہ کے علاوہ جس کو چاہو اپنی مدد کے لیے بلالو اگر تم اپنی بات میں سچے ہو پھر اگر یہ آپ کی بات نہ مانیں تو تم سب سمجھ لو کہ جو کچھ نازل کیا گیا ہے سب خدا کے علم سے ہے اور اس کے علاوہ کوئی خدا نہیں ہے تو کیا اب تم اسلام لانے والے ہو (ہود/۱۳)
یہ آیتیں مکہ میں نازل ہوئی ہیں اور دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے:
ام یقولون افتراہ قل فاتوا بسورۃ مثلہ وادعوا من استطعتم من دون اللہ ان کنتم صادقین بل کذّبوا بما لم یحیطوا بعلمہ ولمّا یاتھم تاویلہ" (یونس/۳۹)
کیا یہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ اسے پیغمبر نے گڑھ لیا ہے تو کہہ دیجیے کہ تم اس کے جیسا ایک ہی سورہ لے آؤ اور خدا کے علاوہ جسے چاہو اپنی مدد کے لیے بلالو اگر تم اپنے الزام میں سچے ہو درحقیقت ان لوگوں نے اس چیز کی تکذیب کی ہے جس کا مکمل علم بھی نہیں ہے اور اس کی تاویل بھی ان کے پاس نہیں آئی ہے۔

یہ آیتیں مکی آیتیں ہیں ان میں قرآن کے نظم و فصاحت سے مقابلہ کا چیلنج کیا گیا ہے اس لیے کہ آیتوں میں روئے سخن ان افراد کی طرف ہے جن کی مہارت اور ہنر اسی چیز میں تھی، تاریخ بخوبی گواہی دیتی ہے کہ اس زمانہ کے خالص اور اصیل عرب سخن سرائی نکتہ سنجی اور ادبی ریزہ کاریوں میں ایسی بے مثال ترقی کر چکے تھے کہ بعد کی نسلیں اس معاملہ میں ان کے قدم پر اپنے قدم نہ جما سکیں اور یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ موقع کی مناسبت، عبارتوں کی ترسیل، جملوں کی بندش اور کلام کی شیرینی میں کمال کے آخری درجہ پر فائز تھے، قرآن نے بھی ان کا پیچھا پکڑ لیا اور ان کے غرور کو للکار کر مقابلہ کی دعوت دی، طویل عرصہ گزر گیا لیکن ان کے پاس عجز و ناتوانی کے اظہار کے علاوہ کوئی جواب نہیں تھا لہٰذا وہ میدان چھوڑ کر فرار کر گئے۔ ارشاد ہوتا ہے:

"الا انھم یثنون صدورھم لیستخفوا منہ الا حین یستغشون ثیابھم یعلم ما یسرون و ما یعلنون"

آگاہ ہو جاؤ کہ یہ لوگ اپنے سینوں کو دہرائے لے رہے ہیں کہ اس طرح پیغمبرؐ سے چھپ جائیں تو آگاہ رہیں کہ یہ جب اپنے کپڑوں کو خوب لپیٹ لیتے ہیں تو اس وقت بھی وہ ان کے ظاہر و باطن دونوں کو جانتا ہے (ھود/۵)

۱۴ صدیاں گزر گئیں لیکن کوئی قرآنی فصاحت کا مقابلہ کرنے میں کامیاب نہ ہو سکا حالانکہ لوگوں نے پہلے بھی بہت ہاتھ پیر مارا تھا اور اب بھی اپنی کوشش میں مصروف ہیں اور جو لوگ اس میں ملوث ہوئے انھیں رسوائی و ذلت کے علاوہ کچھ نہ ملا جیسا کہ تاریخ کے صفحات اپنے دامن میں اس قسم کے تھوڑے بہت نمونے محفوظ کیے ہیں۔

مسیلمہ جس نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا اس نے اس مضحکہ خیز عبارت سے سورۂ فیل کا مقابلہ کرنا چاہا تھا کہ الفیل ما الفیل وما ادراک ما الفیل لہ ذنب وبیل وخرطوم طویل۔ ہاتھی، ہاتھی کیا ہے؟ تم نہیں جانتے کہ ہاتھی کیا ہے جس کی دم درشت اور سونڈ لمبی ہوتی ہے۔

سجاح نامی عورت نے بھی نبوت کا دعویٰ کیا تھا اور اپنے اوپر نازل ہونے والی آیتوں میں سے دلیل کے طور پر یہ رکیک جملہ بیان کیا "فنولج فیھن ایلاجاً ثم نخرجھا اذا نشاء اخراجاً فینتجن لنا سخالاً انتاجاً" اور ذیل کے جملوں کو عیسائیوں نے سورہ حمد کے مقابلہ میں پیش کیا "الحمد للرحمٰن رب الاکوان، الملک الدیان لک العبادۃ وبک المستعان، اھدنا صراط الایمان اور اسی جیسی اور ساختہ پرداختہ باتیں۔

اس مقام پر بلاغت کے اعتبار سے قرآنی اعجاز پر دو اعتراضات ہوئے جن کا جواب دینا ضروری ہے۔

۱۔ یہ کیونکر ممکن ہے کہ کلمات اور جملے اس طرح منظّم ہوں کہ جن کی مثل لانے سے بشری فکر عاجز رہ جائے جبکہ اسے انسانی فکر نے سماجی ضرورت کے پیش نظر اختراع کیا ہو، کیا یہ ممکن ہے کہ انسانی ذوق و طبیعت سے کوئی ایسی چیز صادر ہو جو خود اس کی توانائی اور قوّت سے بالاتر ہو، کیا فلسفی اعتبار سے یہ ضروری نہیں ہے کہ فاعل کو ہمیشہ اپنے فعل سے زیادہ قوی ہونا چاہیے۔؟

۲۔ دوسرے یہ کہ اگر جملہ بندیوں کے درمیان کوئی ایسی قسم ملے جو انسانی توانائی سے بالاتر (یعنی معجزہ) ہو اس بنا پر ماننا پڑے گا کہ کلام کی ترکیبات کے نقص و کمال کے مختلف درجے ہیں اور ان میں سب سے بلند مرتبہ درجہ وہی ہے جو بشری قوت سے بالاتر ہے جس کا لازمہ یہ ہوگا کہ ہر چیز میں ایک ہی طرح کا اعجاز کارفرما ہو جبکہ ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن نے ایک حقیقت کو مختلف انداز سے بیان کیا ہے خاص کر تاریخ اور گزشتہ امتوں کے واقعات بیان کرنے میں اس روش کا خاص لحاظ رکھا ہے تو پھر نتیجتاً ان میں سے کسی ایک روش کو اعجاز اور بقیہ کو اعجاز کی حد سے نیچے ہونا چاہیے۔

ان ہی دو اعتراضات کی وجہ سے بعض علماء اسلام باعتبار بلاغت، قرآن کے اعجاز ہونے میں "صرف" کے قائل ہیں، صرف سے ان کا مطلب یہ ہے کہ قرآن، بلاغت کے اعتبار سے معجزہ ہے ترکیب اور جملہ بندی کے اعتبار سے بشری توانائی سے بلند نہیں ہے کہ پورے قرآن کا مثل لانا محال ہو۔ چیلنج کی آیات اور مخالفین کی عاجزی تقاضا کرتی ہے کہ خداوند عالم، دلائل نبوت کی حفاظت کے لیے انسان کی قرآن سے مقابلہ کی قوّت کو سلب کرلے اور اس کی قوّت ارادی ـــــ جو ہر چیز پر محیط ہے ـــــ کے ذریعہ اسے مقابلہ کے اس عمل سے باز رکھے۔ (حق یہ ہے کہ یہ قول ان دونوں اعتراضات کے جوابات نہ بن پڑنے کا ردِ عمل ہے ورنہ مذکورہ قرآنی اعجاز کی آیات سے اس کا کوئی رابطہ نہیں ہے)

لیکن یہ عقیدہ بھی بے بنیاد ہے اور چیلنج والی آیات پر منطبق نہیں ہوتا مثلاً آیۃ:

"قل فأتوا بعشر سور مثله مفتريات وادعوا من استطعتم من دون الله ان كنتم صادقين فان لم يستجيبوا لكم فاعلموا انما انزل بعلم الله"

کہہ دیجیے کہ اس جیسے دس سورہ گڑھ کر تم بھی لے آؤ اور اللہ کے علاوہ جس کو چاہو اپنی مدد کے لیے بلا لو اگر تم اپنی بات میں سچے ہو پھر اگر یہ آپ کی بات قبول نہ کریں تو تم سب سمجھ لو کہ جو کچھ نازل

کیا گیا ہے سب خدا کے علم سے ہے (ھود/۱۲-۱۳)

آیت کا آخری جزء دلالت کرتا ہے کہ بشر، قرآن سے مقابلہ نہیں کر سکتا کیونکہ یہ خدا کا کلام ہے جو خدا کی ہی تعلیم ہے شیطان کی نہیں، ایک دوسرے مقام پر ارشاد ہوتا ہے

"ام یقولون تقوله بل لایومنون فلیاتوا بحدیث مثله ان کانوا صادقین"

یا یہ کہتے ہیں کہ نبی نے قرآن گڑھ لیا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ یہ ایمان لانے والے نہیں ہیں اگر یہ اپنی بات میں سچے ہیں تو یہ بھی ایسا ہی کوئی کلام لے آئیں (طور/۳۴) ایک اور مقام پر ارشاد ہوتا ہے:

وماتنزلت به الشیاطین وماینبغی لهم ومایستطیعون انهم عن السمع لمعزولون.

اور اس قرآن کو شیاطین لے کر حاضر نہیں ہوئے ہیں یہ بات ان کے لیے مناسب بھی نہیں ہے اور ان کے بس کی بھی نہیں ہے وہ وحی کے سننے سے بھی محروم ہیں (شعراء/۲۱۲)

جیسا کہ آپ نے ملاحظہ فرمایا یہ آیتیں کہتی ہیں کہ قرآن اس اعتبار سے معجزہ ہے کہ وہ کلام خدا ہے کیونکہ مذکورہ بالا "صرف" کی بات درست ہو تو قرآن معجزہ نہ رہ پائے گا بلکہ "صرف" ہی معجزہ ہوگا اس لحاظ سے یہ ضروری نہ ہوگا کہ قرآن حتماً خدا کی طرف سے نازل ہوا ہو، اسی طرح مذکورہ آیت قل فاتوا بسورة مثله وادعوا من استطعتم من دون الله ...... (یونس/۳۹) ہمیں سمجھاتی ہے کہ قرآن کا معجزہ ہونا اور اس جیسے کا بشر سے صدور کا محال ہونا اس وجہ سے ہے کہ قرآن میں ایسی تاویلات ہیں جو انسانی معلومات کے دائرہ سے باہر ہیں اور انھیں صرف خدا جانتا ہے ایسا نہیں ہے کہ لوگوں میں اس کا مثل لانے کی سکت تھی لیکن خدا نے انھیں ایسا نہیں کرنے دیا۔

اسی طرح مذکورہ بالا آیت افلایتدبرون القرآن ولو کان من عند غیر الله لوجدوا فیه اختلافاً کثیراً.... (نساء/۸۱) سمجھاتی ہے کہ جو جہتیں انسان کو قرآن سے مقابلہ میں عاجز کر دیتی ہیں ان میں سے ایک جہت یہ ہے کہ قرآن ذاتی طور پر لفظی اور معنوی اختلاف سے خالی ہے اور اس طرح کا کلام قدرت بشری سے بالاتر ہے ایسا نہیں ہے کہ اس میں اختلافات اور تناقضات موجود ہوں لیکن خدا نے لوگوں کو اس کی تشخیص سے عاجز کر دیا ہو لہٰذا "صرف" کا موضوع ایسا نہیں ہے جس پر اعتماد کر کے مطمئن ہوا جا سکتا ہے بلکہ ان اعتراضات کا جواب دینا چاہیے۔

۱۔ پہلے اعتراض کا جواب یہ ہے کہ جو کچھ انسانی طبیعت سے وجود پذیر ہوتا ہے وہ وہی الفاظ اور مخصوص

معانی کے لیے مفرد کلمات ہیں لیکن ان مطالب کی بندش اس طرح کہ تام یا ناقص ذہنی مواد کو واضح یا مبہم انداز سے کلام کے قالب میں ڈھال دے یہ چیز وضعِ الفاظ کی دنیا سے تعلق نہیں رکھتی بلکہ اس کا ربط بلاغت اور فن تقریر میں خاص ذوق اور مہارت سے ہے، اسی طرح ذہنی مطالب کی تنظیم خود ذہن کے اندر اس اعتبار سے کہ مقدمات وذی المقدمہ اور رابطے مکمل یا بطور ناقص، واقع اور حقیقت پر منطبق ہوں وہ بھی وضع الفاظ وکلمات کی دنیا سے رابطہ نہیں رکھتے بلکہ وہ ایک قسم کی قدرت اور فکری دقت کہ جس کے ذریعہ انسان، مطالب کے واقعی تمام خصوصیات اور باریکیوں کو تشخیص دیتا ہے اور بیان کرنے کے لیے آمادہ کرتا ہے۔

مختصر یہ کہ اس مقام پر تین جہتیں پائی جاتی ہیں اور ممکن ہے ایک یا دو یا کہیں ایک ساتھ یہ تینوں جہتیں پائی جائیں۔ ۱۔ لغت پر عبور ۲۔ قدرت کلام ۳۔ قدرت فکر اور ذوق کی لطافت۔

ممکن ہے کوئی لغت پر عبور تو رکھتا ہو لیکن صحیح طریقہ سے بیان نہ کر سکتا ہو، یا یہ کہ بیان کی قدرت رکھتا ہو لیکن لازمی معلومات سے عاری ہو یا یہ کہ کافی ووافی معلومات اور ذوق رکھتا ہو لیکن ان قابل توجہ حقائق اور لطیف و زیبا معانی کی تشریح اور ان کے بیان پر قادر نہ ہو اس بنا پر صرف پہلی چیز طبیعت بشری کی پیداوار ہے لیکن دوسری دو چیزیں افراد کی فکر و ذوق سے تعلق رکھتی ہیں۔

یہ بھی واضح رہے کہ ہمارے دماغی قویٰ محدود ہیں اور ہم تمام حادثات کے آپسی رابطے کا احاطہ نہیں کر سکتے لہٰذا کسی وقت بھی غلطی و اشتباہ سے مطمئن نہیں رہ سکتے اس کے علاوہ ہمارے اندر کی تدریجی ترقی تقاضا کرتی ہے کہ معلومات میں بھی بتدریج ترقی ہوتی رہے۔ دنیا میں کوئی مقرر، شاعر اور نکتہ سنج ایسا نہیں ہے کہ جس کا کام ابتدا سے انتہا تک ایک جیسا ہو، انسان جس قدر بھی کمالات سے آراستہ ہو پھر بھی وہ محدود ہے اور اس سے اشتباہ ممکن ہے لہٰذا ممکن ہے کہ اپنی ناقص معلومات کی بنا پر غلطی کر بیٹھے اور اس کی گزشتہ اور آئندہ کی باتوں نیز موجودہ باتوں میں فرق ہو (بلکہ اس تدریجی تر... ے قانون کی بنا پر ایک جملہ کا اول و آخر غیر محسوس طور پر بھی فرق ضرور رکھتا ہے) اب اگر کوئی ایسا کلام ملے جو ہر اعتبار سے واقع کے مطابق ہو اور اس میں کسی قسم کا باطل، مذاق (اس مقام پر اس چیز کو مذاق سے تعبیر کیا ہے جس کا سرچشمہ ناقص علم ہے) اور فرق نہ ہو تو یقیناً وہ علم بشری کے احاطہ سے خارج ہے اور اسی کے بارے میں قرآن کہتا ہے افلا یتدبرون القرآن ولو کان من عند غیر اللہ لوجدوا فیہ اختلافاً کثیراً (نساء/۸۲) اس کے بعد ارشاد ہوتا ہے والسماء ذات الرجع والارض ذات الصدع انہ لقول فصل وماھو بالھزل، "قسم ہے چکر کھانے والے آسمان کی اور شگافتہ ہونے والی زمین کی بیشک یہ قول فیصل ہے اور

مذاق نہیں ہے۔ (طارق/۱۴)

درحقیقت خداوند عالم نے ثابت حقیقت اور غیر متغیر قرآن کی حقانیت کے لیے متغیر زمین و آسمان کی قسم کھائی ہے ـــــ یہ بات ذیل کی آیات سے بخوبی روشن ہوتی ہے "بل ھو قرآن مجید فی لوح محفوظ" یقیناً یہ بزرگ و برتر قرآن ہے جو لوح محفوظ میں محفوظ کیا گیا ہے (بروج/۲۲) نیز آیۂ "والکتاب المبین انا جعلناہ قرآنا عربیا لعلکم تعقلون وانہ فی ام الکتاب لدینا لعلی حکیم" اس روشن کتاب کی قسم بیشک ہم نے اسے عربی قرآن قرار دیا ہے تاکہ تم سمجھ سکو اور یہ ہمارے پاس لوحِ محفوظ میں نہایت درجہ بلند اور پر از حکمت کتاب ہے۔ (زخرف/۴) آیۂ "فلا اقسم بمواقع النجوم وانہ لقسم لو تعلمون عظیم انہ لقرآن کریم فی کتاب مکنون لا یمسہ الا المطھرون" اور میں تو تاروں کے منازل کی قسم کھا کر کہتا ہوں اور تم جانتے ہو کہ یہ قسم بہت بڑی قسم ہے یہ بڑا محترم قرآن ہے جسے ایک پوشیدہ کتاب میں رکھا گیا ہے اسے پاک و پاکیزہ افراد کے علاوہ کوئی چھو بھی نہیں سکتا ہے (واقعہ/۷۹) ان آیات سے استفادہ ہوتا ہے کہ قرآنی حقائق عام طور پر ثابت و لا تیغیر اصولوں پر مبنی ہیں۔

مذکورہ بالا مطالب سے مجموعی طور پر نتیجہ نکلتا ہے کہ انسان کی صرف لغات اور الفاظ سے آشنائی اس بات کی دلیل نہیں ہو سکتی کہ وہ انسانی توانائی سے بالاتر جملہ بندی اور ترتیب کلام پر بھی قادر ہو جیسا کہ تلوار بنانے والے کے لیے ضروری نہیں ہے کہ وہ اسے زیادہ اچھا چلانا بھی جانتا ہو۔

ضمناً معلوم ہوا کہ کامل بلاغت وہ ہے جو ایسی مخصوص اطلاعات و معلومات پر مبنی ہو کہ جس کے ذریعہ معانی و الفاظ میں تطبیق دی جا سکتی ہو اور اسی طرح وہ ذہنی مفاہیم کو خارج کے ساتھ مطابقت دیتی ہو لیکن الفاظ جو وضع ہوتے ہیں ان کے اجزاء کی ترتیب طبیعی معانی کے اجزاء کے مطابق ہونی چاہیے تاکہ وضع طبیعت کے مطابق ہو جائے جیسا کہ شیخ عبدالقاہر جرجانی نے کتاب "دلائل الاعجاز" میں لکھا ہے:

اور معانی کو مکمل طور سے واقع پر منطبق ہونا چاہیے اور اس میں ذرہ برابر فرق نہیں آنا چاہیے بعض اوقات مذاق کی باتوں میں بلاغت پائی جاتی ہے لیکن وہ سنجیدہ بلیغ باتوں کے برابر نہیں ہوتی، اسی طرح نادانی میں کہے گئے موزوں اور بلیغ کلمات، حکمت آمیز کلام کے مساوی نہیں ہو سکتے۔ مختصر یہ کہ جس کلام کے الفاظ شیریں، اسلوب بہترین، معنی واضح اور مطابق واقع ہوں وہ کلام کی بہترین قسم شمار ہوگا۔ اور یہ بھی واضح رہے کہ جس وقت کلام حقیقت کے مطابق ہوگا تو طبیعی طور پر دوسرے حقائق سے جدا ہوگا کیونکہ تمام حقائق آپس میں مربوط ہوتے ہیں اور ان کا سرچشمہ ایک ہی

ہوتا ہے اور کبھی بھی ایک حقیقت دوسری حقیقت کو اور ایک حرف حق دوسرے حرف حق کی تکذیب نہیں کرتا یہ صفت تو باطل کی ہے جو حق اور اپنے علاوہ دوسرے اباطیل کی مخالفت کرتا ہے۔ ذیل کی دو آیتوں سے ان مطالب کو سمجھا جاسکتا ہے خداوند عالم حق کے بارے میں فرماتا ہے:

"فماذا بعد الحق الّا الضلال"، حق کے بعد ضلال کے سوا کچھ نہیں ہے (یونس/۳۲)

اس مقام پر خدا نے حق کو مفرد ذکر فرمایا ہے لیکن باطل کے بارے میں ارشاد ہوتا ہے: ولا تتبّعوا السّبل فتفرّق بکم اور دوسرے راستوں کے پیچھے نہ جاؤ کہ راہِ خدا سے الگ ہو جاؤ گے۔ یہاں پر باطل کو متعدد مختلف اور اختلاف ڈالنے والا بیان کیا ہے، حق کے اجزاء کے درمیان کسی قسم کا اختلاف نہیں بلکہ ان کے درمیان انتہائی اتحاد و یگانگت موجود ہے ایک حصّہ دوسرے حصہ کی طرف دعوت دینے والا ہے اور ایک جزء دوسرے جزء کا گواہ ہے اور یہ قرآن مجید کی عجیب وغریب خاصیت ہے کیونکہ قرآنی آیتیں اس اعتبار سے گویا اور نتیجہ دہندہ ہیں کہ ایک آیت کو دوسری آیت کے ساتھ ضمیمہ کر دیا جائے تو ایک تازہ حقیقت سامنے آئے گی اور جب اسے دوسری تمام آیات سے ملایا جائے۔ تو وہ اس کی تائید کریں گی لیکن افسوس کی بات یہ ہے کہ یہ انداز متروک ہو گیا ہے اگر مفسّرین نے اس روش کو اپنا وطیرہ بنایا ہوتا تو قرآنی منابع سے آج ہم پر آب زلال سے آبشار گرتے اور ہمیں گہربار حقائق کے خزانے سے مالا مال کر دیتے۔

مذکورہ بیان سے دوسرے اعتراض کا جواب بھی واضح ہو گیا کیونکہ بلاغت وہ معجزہ ہے جو الفاظ میں منحصر نہیں ہے کہ یہ کہا جائے کہ بہترین لفظی ترکیب ایک ہی ہو سکتی ہے لہٰذا ایک بات کو ایسے مختلف انداز میں کیونکر بیان کیا جاسکتا ہے کہ ہر ایک بیان معجزہ شمار ہو۔

البتہ حقیقت وہی ہے جو سطور بالا میں بیان ہو چکی کہ بلاغت ایسے معانی کے محور پر اپنا عمل کرتی ہے جو ذہنی معانی کے ساتھ ساتھ خارجی جہات پر منطبق ہو۔

محترم قارئین ! ——— سلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مزاج گرامی ——— !

عرض یہ ہے کہ آپکے اپنے ادارہ "اہل بیتؑ ٹرسٹ" کے زیر اہتمام شائع ہونے والے ہندی اور اُردو رسالے حتی الامکان اپنے فرائض کی ادائیگی میں کوشاں ہیں اور انھیں خالص محمدی اسلام کے علوم کو نشر کرنے کا شرف حاصل ہے اب تک مجلات کی اشاعت پر ہونے والے اخراجات کی نصف مقدار پر قارئین کرام کی خدمت میں مجلے اور کتب پہنچائی جاتی رہی ہیں جس کا آپ نے کتابت، کاغذ طباعت اور ٹائیٹل کے معیار سے یقیناً اندازہ کر لیا ہو گا، لیکن موجودہ زمانہ کی گرانی بالخصوص کاغذ پر آئی افتاد، نشریات کے لیے چیلینج بن گئی ہے۔ گزشتہ دو مہینوں میں کاغذ کی قیمت دوگنی ہو چکی ہے اور اس بار گراں کو نوخیز ادارہ کے نحیف کاندھے اکیلے اٹھانے سے قاصر ہیں، لہٰذا رسالوں کے زر اشتراک میں ضروری اضافہ کے ساتھ ساتھ ممبر شپ میں توسیع کے لیے آپ کا تعاون درکار ہے، ہمیں قوی امید ہے کہ آپ اپنے حلقۂ احباب، خاندان اور شناسا افراد میں اپنے اثرات کو استعمال کر کے اس نازک مرحلہ میں دین و مذہب کی نصرت و مدد کر کے ثواب دارین حاصل کریں گے۔ اور "پیغام ثقلین" (اُردو ہندی) نیز "توحید" کے ممبر بننے کے لیے لوگوں کو آمادہ فرمائیں گے

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا اپنا ادارہ "اہل بیتؑ ٹرسٹ"

ضروری اضافہ کے بعد سالانہ زر اشتراک

رسالہ	سالانہ	فی کاپی
توحید :	۱۵۰ روپے	فی کاپی ۲۵ روپے
پیغام ثقلین :	۱۲۰ روپے	فی کاپی ۳۰ روپے
پیغام ثقلین ہندی:	۹۶ روپے	فی کاپی ۸ روپے

توحید ربوبی

جناب شیخ علی مشکینی

آخری قسط

زیر نظر مضمون "توحید ربوبی" نامی مقالہ کی دوسری اور آخری کڑی ہے جس کے پہلے حصہ میں اسلام کے تصور توحید کا دیگر تحریف شدہ آسمانی ادیان کے تصور توحید کے تقابلی مطالعہ کے ساتھ توحید ذات، صفات اور افعال پر ایک اجمالی جائزہ پیش کیا گیا تھا، مقالہ کے اس حصہ میں ہماری بحث "وحدت معاشرہ" اور ان افراد کے سلسلہ میں ہے جن کی ہدایت و اصلاح کے لیے انبیاء عظام کی بعثت عمل میں آئی ہے۔ بحث کا اصلی محور "معاشرہ ہے" اور اب تک جو کچھ بیان ہوا ہے وہ اس موضوع کے لیے تمہیدی حیثیت رکھتا ہے اس مقام پر ہماری بحث دو حصوں میں منقسم ہوگی۔

"ادارہ"

پہلا حصہ:

اسلام کی قولی اور لفظی دعوت اشارۃً یا صریحاً اسلامی معاشرہ کے مختلف اعضاء و جوارح کے درمیان اتحاد و اتفاق کی طرف ہے۔ ارشاد ہوتا ہے

واعتصموا بحبل اللہ جمیعا ولا تفرقوا واذکروا نعمۃ اللہ علیکم اذکنتم اعداء فالف بین قلوبکم فاصبحتم بنعمتہ اخوانا وکنتم علی شفا حفرۃ من النار فانقذکم منہا کذالک

یبیّن اللہ لکم آیاتہ لعلکم تھتدون" (آل عمران/۱۰۳)

تم سب مل کر خدا کی رسی مضبوطی سے تھامے رہو اور آپس میں پھوٹ نہ ڈالو اور خدا کے احسان کو یاد کرو جب تم آپس میں ایک دوسرے کے دشمن تھے تو خدا نے تمہارے دلوں میں ایک دوسرے کی الفت پیدا کر دی تو تم اس کے فضل سے آپس میں بھائی بھائی ہو گئے اور تم گویا سلگتی ہوئی آگ کی بھٹی (دوزخ) کے لب پر دھرے تھے اور گرنا ہی چاہتے تھے کہ خدا نے تم کو اس سے بچا لیا خدا اپنے احکام یوں ہی واضح کر کے بیان کرتا ہے تاکہ تم راہ راست پر آ جاؤ۔

یقیناً آپ نے یہ ملاحظہ کر لیا ہو گا کہ آیت نے ملت اسلامی کو اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑے رہنے، کتاب خدا سے تمسک کرنے، اختلاف، تفرقہ اور جدائی نہ پیدا کرنے کی کتنی تاکید کی ہے۔ آیت اس بات کو بھی یاد دلاتی ہے کہ اختلاف سے نجات اور آپس میں دلوں کا جڑ جانا خدا کی عظیم نعمت ہے اور اخوت و برادری دنیا کی ذلت اور جہنم سے نجات کا ذریعہ ہے۔

ان حقائق کے پیش نظر میں عالم اسلام سے انتہائی ادب کے ساتھ چند باتیں پوچھنا چاہتا ہوں کہ:

اس آیت میں جو عداوت و کینہ کے ختم ہونے اور دلوں کا میل صاف کرنے کا تذکرہ خدا کی ایک عظیم نعمت کے عنوان سے کیا گیا ہے اور خدا نے اس طرح کی نعمت کا تذکرہ کر کے مسلمانوں پر احسان جتایا ہے تو کیا یہ بات صرف مدینہ منورہ کے چند خاص اور گنے چنے افراد سے مخصوص تھی، کیا آیت خاص کر اصحاب اور تابعین کے لیے تھی یا تمام زمانوں اور تمام لوگوں کو یہ آیت شامل ہے؟

کیا صرف پیغمبرؐ کے اصحاب کے درمیان اس زمانہ میں تفرقہ، دشمنی اور جدائی اسلام کے لیے نقصان دہ تھی اور اسلام و قرآن کے وجود کے لیے خطرہ کا باعث تھی اور اب یہ تفرقہ ملت اسلامی کے لیے نقصان دہ اور اسلام و مسلمین کے لیے خطرہ کا باعث نہیں ہے؟

کیا اسلام کے اس وقت کے دشمن آج کے دشمنوں کے مقابل زیادہ قوی تھے؟ کیا ان کی تعداد ان کے افراد، جنگی اسلحے، جاسوسی کے آلات اسلام کے خلاف ان کی سازشیں، جنگی طاقتیں، اپنے ہم فکر افراد سے ارتباط کے وسائل، اس زمانہ میں موجودہ زمانہ سے زیادہ قوی اور اہم تھے؟

کیا آج کے مسلمان اس زمانہ کے مسلمانوں سے ایمان، عقیدہ، عشق خدا اور احکام و معارف دینی پر عمل کرنے میں زیادہ بہتر مضبوط اور قوی ہیں؟

کیا آج کے رہبر اور اسلامی سرپرست و رد سائے پیغمبر اور ان کے جانشینوں سے زیادہ عاقل، زیادہ عادل اور زیادہ مضبوط ہیں؛

دین اور اسلام کے خلاف زہریلے بیانات، بکے ہوئے قلم، رسالے، روزنامے، کتابیں، آج سے زیادہ کل تھیں؛

اسلام کی بنیاد کو ڈھا دینے، مسلمانوں کو کمزور کرنے، قرآن کے وجود کو بدل دینے اور محو کر دینے، احکام الٰہی کو ختم کر دینے والے زہریلے پروپیگنڈے آج سے زیادہ کل تھے،

تحریف شدہ توریت، انجیل، زند و پازند، کمیونسٹوں، سوشیالسٹوں کا خرافاتی لٹریچر اور خدا کے خلاف لکھی جانے والی کتابیں کل زیادہ چھپتی اور نشر ہوتی تھیں یا ان کی بہتات آج زیادہ ہے؛

مسلمانوں کے زیر زمین ذخائر اور بالائے زمین کے اموال کے لالچ میں مملکت اسلامی پر حملہ کر کے مسلمانوں کے علاقوں پر ناجائز قبضہ کرنے والے، ہمارے ذخیروں کو لوٹنے والے اور اس کے بدلے ہم کو چند کھلونے دے کر بہلانے والے کل زیادہ تھے یا آج زیادہ ہیں؛

امریکی جاسوسی کی تنظیم سی، آئی، اے اور دوسری تنظیمیں جو ہمیشہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف بڑی مہارت سے منصوبے بناتی ہیں اور تمام ملکوں میں بڑی چالاکی سے ان پر عمل درآمد کرتی ہیں کیا ایسی تنظیمیں آج سے زیادہ کل تھیں؛

مسلمانوں کے بنیادی عقائد کو ختم کر کے غیروں کے نفوذ کے ذریعہ انھیں خرافاتی عقائد کا خوگر بنانے کے لیے مسلمانوں کے اسکولوں اور کالجوں میں گھس بیٹھ کر کے دینی مقدسات کا مذاق بنانے والے کیا پیغمبرؐ کے زمانہ میں آج سے زیادہ تھے؛ ان کا نفوذ ان جگہوں میں اتنا گہرا ہے کہ مسلمانوں کے بچے تعلیم کے ابتدائی زمانہ میں جب اسکولوں میں جاتے ہیں تو مسلمان رہتے ہیں اور کچھ دنوں کے بعد جب یونیورسٹیوں سے نکلتے ہیں تو کمیونسٹ بن کر نکلتے ہیں۔ میں پوچھتا ہوں یہ سازشیں کل کے دور میں زیادہ ہو رہی تھیں یا آج زیادہ ہو رہی ہیں؛

مختلف تجارتوں کے ذریعہ اغیار کے نفوذ کے بعد لہو و لعب اور کھیل کود کے آلات کا مسلمان ملکوں میں لانا، شراب، نشہ آور چیزوں اور عیاشی کے دوسرے وسائل کے داخل کر دینے کا عمل کیا آج سے زیادہ کل تھا؛

فحشا ومنکر کی اشاعت! اچھی باتوں سے روکنے اور بری باتوں کے رائج کرنے کی مشرق ومغرب کی تسلط پسند طاقتوں اور امپریالسٹ ملکوں کی کوششیں کیا صدر اسلام میں آج سے زیادہ تھیں ؛ کیا جوا خانے، شراب فروشی کے اڈے کیبرے ڈانس کا انتظام اور قحبہ خانے آج کے مقابلہ میں کل زیادہ تھے ؛

غرض کہ علانیہ زبردست اور پے در پے حملے اور اسلامی ملکوں کے خلاف مسلحانہ جنگ جیسا کہ لبنان افغانستان اور ایران وغیرہ میں دیکھنے میں آرہا ہے کیا یہ صدر اسلام میں آج سے زیادہ تھے ؛ جس کی وجہ سے "واعتصموا بحبل اللہ جمیعا" کا جملہ ہمارے اندر اثر نہیں کرتا۔ اور" کنتم اعداء فالف بین قلوبکم" (تم دشمن تھے اللہ نے تم لوگوں کے دلوں کو آپس میں ملا دیا) کے جملہ پر ہم غور نہیں کرتے کہ آج ہم ایک دوسرے کے دشمن ہو گئے ہیں اور آج ہمارے دل میں محبت نہیں رہ گئی ہے ؛

ہم کو کیا ہو گیا کہ" فاصبحتم بنعمتہ اخوانا" (پس تم اس کی نعمت سے بھائی بھائی ہو گئے) کا جملہ ہمارے اندر حرکت نہیں پیدا کرتا۔

پناہ بخدا کہ ہم شیطان اور اس کے لشکر کے غلبہ کی بنا پر ایک دوسرے کے دشمن ہو گئے اور جہنم کے گہرے غار میں گر پڑے اور ہمیں یہ بھی نہیں پتہ کہ ہم کو کوئی اس میں سے نکالے گا یا ہم ہلاک اور برباد ہو جائیں گے۔

ایک مذہب وآیین والوں کے درمیان اتحاد کے لازم ہونے کے بارے میں جو قول انسان کو حیرت میں ڈال دیتا ہے وہ قول، قول خدا ہے، خدا نے حضرت ہارون پیغمبر کی زبان پر جو کلمات جاری کیے ان کے بارے میں قرآن کا ارشاد ہے۔

قال یاھرون مامنعک اذ رأیتھم ضلوا الا تتبعن افعصیت امری قال یا بنؤم لا تأخذ بلحیتی ولا برأسی انی خشیت ان تقول فرقت بین بنی اسرائیل ولم ترقب قولی۔ (طٰہٰ / ۹۴)

موسیٰ نے ہارونؑ کی طرف خطاب کر کے کہا کہ اے ہارونؑ جب تم نے ان کو دیکھ لیا تھا کہ گمراہ ہو گئے ہیں تو تمہیں میری پیروی میں (قتال) کرنے سے کس نے منع کیا تو کیا تم نے میرے حکم کی نافرمانی کی ہارونؑ نے کہا: اے میرے بھائی آپ مجھ سے مواخذہ نہ کیجیے میں تو اس بات سے ڈرا کہ کہیں آپ واپس آ کر یہ کہیں کہ تم نے بنی اسرائیل میں پھوٹ ڈال دی اور میری بات کا بھی خیال نہ رکھا۔

آپ ملاحظہ فرمائیں کہ ملت میں افتراق اور پھوٹ کے ڈر سے جناب ہارونؑ گوسالہ پرستی سے بھی نہ روک سکے یہ کلام الٰہی غور و تامل کے لائق ہے اور اس میں تنبیہ و تذکر پوشیدہ ہے۔

اے مسلمان بھائیو! اے علماء اسلام! اے دین کی حمایت اور مسلمانوں کی قیادت کرنے والو! اے حاملین کتاب! اے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنے والو! اے حدود خدا کو تحفظ دینے والو! آؤ ایک ایسے کلمہ پر متحد ہو جائیں جو ہمارے اور تمہارے درمیان برابر ہے یعنی ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور بڑے شیطان یعنی امریکہ اور مشرق و مغرب کے کسی بھی شیطان کی اطاعت نہ کریں۔ خدا کی قسم ہم اپنے ان دشمنوں سے خائف ہیں جو زیادہ ہیں اور بیدار ہیں۔ ہم اس بات سے بھی خوف زدہ ہیں کہ ہم کم ہیں اور سو رہے ہیں۔

بڑے تعجب کی یہ بات ہے کہ دل مردہ ہے اور ہمارے دشمن تو باطل پر ایکا کیے ہوئے ہیں لیکن ہم اپنے حق پر متحد نہیں ہیں۔ ہمارے جسم تو ایک جگہ ہیں مگر ہماری خواہشیں جدا جدا ہیں۔ ہم اپنے شہروں میں یہ دیکھ رہے ہیں کہ عہد خدا پامال کیے جا رہے ہیں، احکام الٰہی متروک ہیں پھر بھی ہم کو نہ غصہ آتا ہے اور نہ ہم اس کے لیے اٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔ نہ ہم نیکیوں کا حکم دیتے ہیں اور نہ ہی برائیوں سے روکتے ہیں۔ ہم کو دوسروں نے متفرق کر دیا ہے، جب کہ بے شک ہمارا خدا ایک ہے، نبی ایک اور کتاب بھی ایک ہے، تو کیا خدا نے ہم کو اختلاف کرنے کا حکم دیا ہے، جو ہم نے اس کی اطاعت کر لی ہے یا اس نے ہم کو اس بات سے روکا ہے کہ اس سے باز نہیں آتے اور اس کی معصیت کر رہے ہیں۔ شکوہ تو خدا ہی سے ہے، ہم سب اس کی طرف سے آئے ہیں اور اسی کی طرف واپس چلے جائیں گے۔

قرآن کریم نہایت شدت اور تاکید سے کہتا ہے کہ اے مسلمانو! ہم نے جو بات حضرت نوحؑ سے لے کر حضرت موسیٰ عیسیٰ اور محمد علیہم السلام تک کہی ہے وہ یہ ہے کہ:

"ان اقیموا الدین ولا تتفرقوا کبر علی المشرکین ما تدعوھم الیہ" (شوریٰ/۱۳)

دین کو قائم اور اس کو زندہ جاوید بنا کر رکھو، ایک دوسرے سے جدا نہ ہو اور یہ سمجھ لو کہ تمہاری دعوت اور توحید کلمہ اہل شرک و نفاق کو بہت شاق ہے۔

دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے:

ان الذین فرقوا دینھم وکانوا شیعا لست منھم فی شئ (انعام/۱۶۰)

بے شک جن لوگوں نے دین میں تفرقہ ڈالا اور کئی فریق بن گئے تمہیں ان سے کچھ سروکار نہیں ہے۔

پھر ارشاد ہوتا ہے۔

ولا تکونوا کالذین تفرقوا واختلفوا من بعد ما جاءھم

البینات واولئک لھم عذاب عظیم (آل عمران/۱۰۵)

تم کہیں ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جو آپس میں پھوٹ ڈال کر بیٹھ رہے اور روشن دلیلیں آنے کے بعد بھی اختلاف کیا ان کے لیے بڑا بھاری عذاب ہے۔

اس سلسلہ میں آیتیں اور روایتیں بہت ہیں شاید آپ نے ہم سے زیادہ روایتیں اور آیتیں دیکھی ہوں یہ قرآن مجید کی قوی، صریح اور براہ راست دعوتیں تھیں۔

دوسرا حصہ:

قرآن مجید کی بالواسطہ دعوت جو اس نے وحدت کلمہ اور اتحاد مسلمین کے سلسلہ میں دی ہے، وہ دعوت اسلام کی عبادت، سماجی نیز سیاسی پروگراموں کی شکل میں موجود ہے جن میں سے ہر ایک اپنی جگہ پر مسلمان معاشرہ میں اتحاد واتفاق پیدا کرنے کا موثر ذریعہ ہے لیکن لائق افسوس بات تو یہ ہے کہ اسلام کے یہ سارے شفا بخش نسخے ہم ایسے مریضوں کے ہاتھ میں ہیں جو عمل ہی نہیں کرتے۔ جو احکام الہٰی ہم کو اتحاد و یگانگت کی دعوت دیتے ہیں ان میں سے چند ایک درج ذیل ہیں۔

۱۔ حج کا قانون:۔ ہر جسمانی، مالی، استطاعت رکھنے والے مسلمان نیز اس مسلمان پر حج واجب ہے جس کے لیے راستہ کھلا ہوا ہو۔ حج کا وجوب وہ سیاسی اور عبادی عمل ہے کہ تمام مسلمانوں میں اتحاد، یگانگت، بھائی چارہ اور اخوت پیدا کرنے میں جس کا موثر ہونا نہ تو محتاج بیان ہے اور نہ ہی اس کے فوائد کا احاطہ کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی کسی شبہ اور انکار کی گنجائش ہے۔

۲۔ نماز جمعہ کا قانون:۔ اسلامی روابط کی مضبوطی، اتحاد، دینی اخوت کی تجدید اور ایک دوسرے کے حالات سے اطلاع کے لیے ہفتہ میں ایک دن یہ بہترین ذریعہ، نماز جمعہ بلاد مسلمین میں قائم کی جاتی ہے اور اس سلسلہ میں بھی بہت سی باتیں ہیں جو انشاءاللہ عرض کی جائیں گی۔

۳- نماز جماعت کا قانون :- روزانہ چند بار نماز جماعت ادا کی جاتی ہے اس نماز میں چھوٹا اجتماع ہوتا ہے، مگر یہ ہر ہفتہ جمعہ کے دن منعقد ہونے والے اجتماع کا مقدمہ ہے اور نماز جمعہ بھی سالانہ حج کے موقع پر مکہ اور حرم الٰہی کے پاس بڑے اجتماع کی زمین ہموار کرنے میں بہت ہی موثر ہے۔ اسلامی معاشرہ میں ارتباط، اتحاد، ایک دوسرے سے ملاقات، بھائی چارہ اور محبت پیدا کرنے میں ان نمازوں کے موثر ہونے سے انکار نہیں کیا جا سکتا چونکہ بات بہت واضح ہے لہٰذا اس کو بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

۴- صلۂ رحم کے وجوب اور قطع رحم کی حرمت کا قانون :- بہت سی آیتوں اور متواتر روایتوں سے یہ پتہ چلتا ہے کہ اپنے رشتہ داروں کے ساتھ نیکی، احسان اور صلۂ رحم کرنا چاہیے وہ دور کے عزیز ہوں یا قریب کے صلۂ رحم واجب اور بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ اس سے رابطوں میں استحکام اور مضبوطی پیدا ہوتی ہے قطع رحم اور قوموں سے کٹ کر رہنا گناہ کبیرہ ہے۔

ممکن ہے بادی النظر میں یہ بات بہت ہی معمولی اور چھوٹی سی نظر آئے لیکن اس میں غور کرنے کے بعد معلوم ہوگا کہ تمام معاشرہ اور سارے مسلمان مل کر ایک لشکر کی طرح ہیں، لشکر سپاہیوں کے مجموعہ کا نام ہے اگر لشکر کا ہر سپاہی کمزور، ڈرپوک اور بزدل ہوگا تو پورا لشکر کمزور ہو جائے گا اور آخر میں زوال کے گہرے غار میں گر پڑے گا۔

اسی طرح بڑا معاشرہ بھی چھوٹے چھوٹے خاندانوں اور گھروں سے مل کر بنتا ہے اگر یہ اجزا قوی اور مضبوط ہوں گے تو ان کا مجموعہ، جسے سماج اور معاشرہ کہتے ہیں، وہ بھی مستحکم ہوگا۔ اسی وجہ سے آیات و روایات میں اس بات کی طرف بڑی شدت سے متوجہ کیا گیا ہے۔

ارشاد خداوندی ہے :

واتقوا اللہ الذی تسآءلون بہ والارحام (نساء/۱)

اس خدا سے ڈرو جس کے وسیلے سے آپس میں ایک دوسرے سے سوال کرتے ہو اور قطع رحم سے بھی ڈرو۔

اس آیت میں تقویٰ کی وصیت، حقوق خدا اور حقوق ارحام کی رعایت کا ذکر کیا گیا ہے۔

یہ بھی ارشاد رب العزت ہے کہ:

"ولا یاتل اولوا الفضل منکم والسعۃ ان یؤتوا اولی القربیٰ" (نور/۲۲)

یعنی کہیں ایسا نہ ہو کہ کسی کے پاس اپنی زندگی کے اخراجات سے زیادہ مال ہو اور وہ اپنے اعزا و اقربا کی مدد سے کوتاہی کرے۔ ظاہر ہے کہ ایسا ہرگز نہیں ہونا چاہیے۔

نیز پیغمبر اسلامؐ نے بھی جب اقوام و ملل کو اسلام کا پیغام سنایا تو سب سے پہلے آپؐ نے اپنے قریبی رشتہ داروں سے اس کام کا آغاز کیا اس لیے کہ حکم تھا "وانذر عشیرتک الاقربین" اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈراؤ۔ بہرحال صلۂ رحم کے بارے میں آیتیں اور روایتیں زیادہ اور بہت ہی واضح ہیں مگر ہم نے یہاں پر ان کا اجمالی تذکرہ کیا ہے۔

۵۔ فقرا، مساکین اور یتیموں کی امداد کا قانون:۔ اگر ان لوگوں کو ثروت مند افراد مورد عنایت قرار دیں تو سماج کا ڈھانچہ صحت مند اور مضبوط ہو جائے۔

اسی لیے فقرا پر انفاق اور حاجت مندوں کی حاجت پوری کرنے کے بارے میں قرآن نے یہ نہیں کہا ہے کہ ان فقرا کے لیے اسلام شرط ہے بلکہ اگر نظام معاشرہ کو محفوظ نیز اسے رخنے سے بچانا مقصود ہو تو چاہے وہ ضرورت مند اور یتیم افراد غیر مسلم ہی کیوں نہ ہوں ان کی ضرورتیں پوری ہونی چاہئیں یعنی ان پر نظر عنایت کا ہونا بہت ضروری ہے۔

سورہ الحاقہ کی آیت ۳۴ میں کفار کے بارے میں ارشاد ہوتا ہے:

"خذوہ فغلوہ ۔۔۔۔ انہ کان لا یؤمن باللہ العظیم ولا یحض علیٰ طعام المسکین"

اسے گرفتار کر کے طوق پہنا دو ۔۔۔۔ (کیوں کہ) نہ تو یہ خدائے بزرگ پر ایمان لاتا تھا اور نہ محتاج کے کھانا کھلانے پر (لوگوں) کو آمادہ کرتا تھا۔

"کلا بل لا تکرمون الیتیم ولا تحاضون علیٰ طعام المسکین" (فجر/۱۸)

ہرگز بلکہ تم لوگ نہ یتیم کی خاطرداری کرتے ہو اور نہ محتاج کو کھانا کھلانے کی ترغیب دیتے ہو۔

زکوٰۃ جن لوگوں کو دی جاتی ہے، مسلمانوں کی فقہ میں ان میں وہ کمزور اور قرضدار لوگ بھی ہیں جو اپنا قرض ادا نہیں کر سکتے۔ اگر ان پر انفاق کیا جائے تو معاشرہ کے ایک وسیع حلقہ کی دلجوئی ہوگی، ان کا احترام نظروں کے سامنے آئے گا اور مسلمانوں کے درمیان ان کی حیثیت مضبوط ہو جائے گی اور اس طرح تالیف قلب کی صورت نکل آئے گی۔

۶۔ ازدواج کا قانون:۔ اس میں اسلام نے قومی خصوصی اور نسلی امتیازات کو طرفین میں لغو قرار دیا ہے اور اس بات کی ترغیب دلائی ہے کہ کسی بھی قوم وقبیلہ والا کسی بھی قبیلہ میں خواستگاری کے لیے جائے تو اس کو رد نہیں کرنا چاہیے۔ فقر وغنا، رنگ وقیافہ ونسل اور سارے قومی لسانی، علاقائی نیز مقام ومنصب کی بلندی کے امتیازات لغو ہیں۔ صرف ایمان واخلاق کا پہلو مدنظر رہنا چاہیے۔ پیغمبرؐ اکرم نے خود ہی فرمایا ہے:

"لا فضل لعربی علیٰ اعجمی ولا لابیض علی الاسود وانما الفضل بالتقویٰ"

عربی کو عجمی پر اور گوری چمڑی والے کو کالے پر کوئی فضیلت حاصل نہیں فضیلت صرف اور صرف تقویٰ ہے

جیسا کہ قرآن مجید نے بھی اس اساسی بات پر خاص توجہ دی ہے، خدا کا فرمان ہے کہ "انّ اکرمکم عند اللہ اتقاکم" تم میں سے سب سے زیادہ مکرم وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ تقوے والا ہے۔

اگر واقعاً اسلام کے اس حکم پر عمل ہونے لگے تو مسلمانوں کے مختلف فرقوں میں آپس میں اتحاد وارتباط مضبوط ہو جائے اور ایک راستہ ایک قالب ایک تحریک اور ایک مقصد کی شکل پیدا ہو جائے۔

خلاصہ یہ کہ اسلام کے بیشتر عبادی اور سماجی قوانین میں غور وفکر کرنے کے بعد یہ بات اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ اسلام کے قانون بنانے والے کا مقصد یہ تھا کہ ایک ایسا معاشرہ قائم ہو جس میں اتحاد، یگانگت، دوستی، الفت اور فکری ہم آہنگی ہو۔

لیکن بڑے افسوس کی بات ہے کہ اسلامی معاشرہ نے اس نعمت عظمیٰ کو کھو دیا ہے۔ اور قوی، ہشیار، مکار وغدار وہ دشمن جو روحانی اور معنوی کمالات سے عاری، مبدا کے عقیدہ سے خالی، معاد وآخرت کے نظریہ سے بے پروا، وجدانی اور بین الاقوامی بنیادوں کے مخالف ہیں، مسلمانوں پر مسلط ہو چکے ہیں اور ان کے گھروں میں نفوذ کر چکے ہیں اور ان دشمنوں نے، تہذیبی، فوجی، انتظامی، اقتصادی، سیاسی غرض کہ مسلمانوں کی زندگی کے تمام شعبوں میں دخل اندازی کی ہے، اب ایسی صورت میں کیا کرنا چاہیے۔

یہی وہ جگہ ہے جہاں مسلمانوں کی حالت زار پر رونا آتا ہے اور انا للہ وانا الیہ راجعون کہنے کو جی چاہتا ہے۔ حضرت امیر المومنینؑ نے جو جملہ ارشاد فرمایا تھا میں اس مقام پر اسی کو دہرا دینا چاہتا ہوں آپؑ نے فرمایا تھا "فلو ان امرًا مسلما مات من بعد ھٰذا اسفا ماکان بہ ملوما بل کان بہ عندی جدیرًا"

(خطبہ/۲۷)

اب اگر کوئی مسلمان ان باتوں کے بعد رنج وملال سے مرجائے تو اسے ملامت نہیں کی جا سکتی بلکہ میرے نزدیک ایسا ہی ہونا چاہیے تھا۔

اب خاتمۂ بیان میں، میں اپنی وہ تجویزیں پیش کر رہا ہوں جو میرے نزدیک اسلامی معاشرہ کو فائدہ پہنچا سکتی ہیں لیکن یہ نہیں معلوم کہ ان پر کس حد تک عمل کیا جائے گا۔

دس تجویزیں:

۱۔ میں پہلے یہ بتا چکا ہوں کہ مسلمانوں کے درمیان اتحاد پیدا کرنے کا بہترین سبب اور اسلام کا سیاسی عبادی ایک اہم حکم حج بیت اللہ ہے لہٰذا میری پہلی تجویز اسی عمل اور اس جگہ سے متعلق ہے جہاں یہ عمل انجام پاتا ہے۔

آپ تمام حضرات کو معلوم ہے کہ تسلط پسند امریکہ نے جزیرۃ العرب کے علاقہ اور سعودی حکومت میں نفوذ پیدا کر لیا ہے۔ آپ کو یہ بھی معلوم ہے کہ حجاز کا پٹرول اور کالا سونا اس بات کا سبب بنا ہے کہ امریکہ کے مشیر دولت وثروت کے اس ذخیرہ اور خام مادہ کی طرف ان موذی مکھیوں کی طرح ٹوٹ پڑے ہیں، جو چربی یا کسی میٹھی چیز پر ٹوٹ پڑتی ہیں۔ اس طرح انھوں نے عام مسلمانوں کی عبادت گاہ اور محترم گھر کو خطرہ میں ڈال دیا ہے۔ اس سلسلہ میں ہم ذرا کھل کر گفتگو کریں گے۔

فساد کا جو بیج انگریزوں نے فلسطین میں بویا تھا امریکہ نے اس کی آبیاری کی اور صیہونیت کے نام سے وہ سرسبز وشاداب ہوا تھا، ہماری سستی اور کاہلی کی بنا پر اس فساد کی جڑ نے اسے ہمارے ہاتھوں سے چھین لیا۔ ہم ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے ہی رہے دیکھتے بھی رہے لیکن ہماری پیشانی پر بل بھی نہیں پڑا اور اب فساد کا یہ بیج ایک تناور درخت بن گیا ہے جو غیر محفوظ اسلامی ملکوں پر بے دریغ حملے اور قتل عام کر رہا ہے اور کسی کے منہ سے کوئی آواز نہیں آتی۔

اب رہا قبلۂ دوم کا مسئلہ۔ یہ قبلہ سارے عالم کا قبلہ ہے مرکز وحی، ملائکہ کے نازل ہونے کی جگہ، اسلام کے دائرہ کا مرکز، اور ایک ارب مسلمانوں کا ملجا وماٴمن ہے۔ وہ بھی اب ہمارے ہاتھ سے نکلتا جا رہا ہے۔ اے کاش ہم خوف زدہ نہ ہوتے اور کہہ سکتے کہ واقعاً ہمارے ہاتھوں سے قبلۂ دوم نکل چکا ہے اور اس وقت امریکہ اور صیہونیت کے قبضہ میں ہے میں اس بارے میں آپ کو خطرہ کی طرف متوجہ کرنا چاہتا ہوں

اور بہ آواز بلند فریاد کرتا ہوں کہ اے دنیا کے مسلمانو! تمہارا قبلہ خطرہ میں ہے تم اگر بیدار نہ ہوئے اور تم نے کوئی قدم نہیں اٹھایا کوئی انقلاب برپا نہیں کیا، امریکہ اور صیہونی طاقتوں کو حرمین کے علاقہ سے نکال باہر نہیں کیا تو ہمیشہ کے لیے دینوی شکست ذلت اور ننگ و عار تم پر سایہ فگن رہے گا اور آخرت میں تم پر خدا کا عذاب ہوگا۔

آیات کے صریح نص اور خدا کے واضح حکم کی بنا پر مسلمانوں کا قبلہ یعنی کعبہ اور اس سے متعلق تمام چیزیں، مشعر، عرفات، منیٰ، حرم، احرام باندھنے کی جگہیں، حرم مطہر رسول اکرمؐ، یہ تمام چیزیں تمام مسلمانوں کی ہیں روز اول ہی سے ایسا ہی تھا اور قیامت تک ایسا ہی رہے گا۔

ہم اس مقام پر آپ کی خدمت میں قرآن مجید سے چند آیتیں پیش کرتے ہیں تاکہ یہ واضح ہو جائے کہ ان جگہوں پر سب کا حق ہے۔ اس لیے ہم یہ بات پیش کریں گے کہ ان مقامات کا تحفظ کیوں کر ممکن ہے؟ ارشاد ہوتا ہے:

۱۔ "ان اول بیت وضع للناس للذی ببکۃ مبارکا و ھدی للعالمین" (آل عمران/۹۶)

یہ وہ گھر ہے جس کو تمام لوگوں کے لیے بنایا گیا ہے، تمام ملتوں کا اس پر حق ہے، دنیا کے تمام لوگ حتیٰ کہ غیر مسلموں کو بھی معینہ شرطوں اور خاص قیود کے ساتھ اس پر حق حاصل ہے اور شرائط ہیں، خدا پر ایمان واعتقاد اور اس کے فرائض کی معرفت - یہ گھر مبارک ہے یعنی اس میں بہت خیر و برکت ہے، یہ گھر سراپا ہدایت ہے، یہ گھر رہنما اور ہادی ہے۔

۲۔ نیز یہ بھی ارشاد ہوتا ہے "واذ جعلنا البیت مثابۃ للناس وامنا واتخذ وا من مقام ابراھیم مصلیٰ" (بقرہ/۱۲۵)

اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ خدا نے اپنے گھر کو لوگوں کے لیے محل و مقر اور پناہ کی جگہ قرار دیا ہے۔ اس جگہ پر لوگ، حقیقی توحید کو درک کر کے نور ایمان اور روحانیت کو حاصل کر کے، اور اپنے نفسوں نیز کائنات میں ربانی تجلیات کے مشاہدہ کے بعد ذاتی اور فطری حالت کی طرف پلٹ آئیں اور اپنے خدا کی عظمت میں فنا ہو جائیں جس طرح انھوں نے اس مبدا فیض سے فیضان حاصل کیا ہے۔ اس توجہ اور تفکر کے نتیجہ میں وہ اپنے اس انسانی کمال کی طرف متوجہ ہو جائیں جس کے لیے ان کو پیدا کیا گیا ہے۔

۳۔ تیسری جگہ ارشاد ہوتا ہے "جعل اللہ الکعبۃ البیت الحرام قیاما للناس (مائدہ/۹۷)

اس محترم گھر کو اغیار کے وجود اور شریر لوگوں کے داخل ہونے سے محفوظ رہنا چاہیے ہم نے اس گھر کو تمام لوگوں

کے قیام کے لیے بنایا ہے۔ نہ کہ یہ گھر لوگوں کے جمود یا غیروں سے وابستہ رہنے اور ان پر بھروسہ کرنے کا سبب ہے۔

۴۔ کعبہ کے لیے پھر ارشاد ہوتا ہے" والمسجد الحرام الذی جعلناه للناس سواء العاکف فیه والباد (حج/۲۵)

ہم نے اس گھر کو تمام لوگوں کے لیے بنایا ہے چاہے وہ وہاں ہمیشہ سے رہتے ہوں چاہے سفر کر کے وہاں تک پہنچیں اس گھر کے سلسلہ میں تمام انسان برابر ہیں۔ کسی کو برتری، اولویت، زیادہ حق یا حق تقدم حاصل نہیں ہے۔ اور اصولی طور پر یہ جگہیں شعائر اللہ ہیں جیسے سارے شہروں میں مسجدیں ہوتی ہیں۔ ایسی جگہیں کسی شخص یا اشخاص کے زیر نگیں اور تحت تصرف نہیں ہوا کرتیں۔ تمام فقہاء چاہے وہ سنی ہوں یا شیعہ اس بات کے معتقد ہیں۔

ہماری تجویز یہ ہے کہ جو گھر تمام لوگوں کے لیے بنایا گیا ہے وہ تمام لوگوں کے اختیار اور قبضہ میں رہنا چاہیے اس کو عمومی معبد ہونا چاہیے نہ کہ ایک حکومت کی زیر نگرانی ہیں جبکہ وہ حکومت دشمن سے بھی اپنا رابطہ رکھتی ہو اور جس کے نتیجہ میں عمومی عبادت گاہ معرض خطر میں پڑ جائے۔

اس بنا پر ہماری تجویز بھی ہے اور علماء سے عاجزانہ درخواست بھی کہ وہ اس بات پر توجہ فرمائیں اور حرمین شریفین کو دو ایسے گروہ کے ہاتھوں میں سپرد کر دیں جس کے اندر تمام اسلامی ملکوں کی نمائندگی موجود ہو پہلا گروہ، وہ ہو جو گروہ رئیسہ اور مقننہ ہو اور دوسرا گروہ وہ جو قانون کا اجرا کرے۔

گروہ رئیسہ کی تشکیل اس طرح سے ہو کہ تمام پچاس اسلامی ملکوں سے دو دو ایسے افراد لیے جائیں جو اس کام کے لیے مناسب ہوں، عالم اور معارف اسلامی سے واقفیت رکھنے والے ہوں۔ اور یہ جماعت بیٹھ کر آپس میں حرمین شریفین کے لیے قانون نظم و نسق بنائے اور آئین اسلام کے مطابق مفصل، منظم اور دقیق طور پر لوگوں کے فرائض کو معین کرے۔ اس سلسلہ میں قرآن کریم اور سنت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے استفادہ کیا جائے اور حرمین شریفین کے نظم و نسق کے کام پر "مجلس اعلیٰ برائے حج" کے عنوان سے یہ لوگ مشغول ہو جائیں۔

دوسرا گروہ جو قانون کو رائج اور نافذ کرنے والا ہو، تمام ملکوں سے پچاس پچاس افراد یا سو سو افراد سے مل کر بنے یہ گروہ تمام مادی و معنوی اور تحفظ کے ساز و سامان سے لیس ہو یہ لوگ حرمین شریفین میں جگہ جگہ رہیں اور "مجلس اعلیٰ برائے حج" کی زیر نگرانی حج اور عمرۂ مفردہ کے زمانہ میں حجاج کرام کے تمام امور کے ذمہ دار

رہیں، ان کی ہدایت، تعلیم، رہنمائی، ان کو ٹھہرانے کی جگہ کی تعیین کرنے، ان کی حفاظت، ان کی مشکلات کو رفع کرنے، وقت ضرورت دوا وعلاج کا انتظام، مواقیت سے مکہ اور مکہ سے تمام مشاعر تک لے جانے کا انتظام، غرض کہ ان تمام باتوں کا انتظام ان کے ہاتھ میں ہو جو دس بیس لاکھ انسانوں کو حج وعمرہ مفردہ کے زمانہ میں پیش آتی ہیں اور اس عظیم اجتماع کے انتظامات پر جو خرچ آئے اسے حجاج محترم خود مہیا کریں یا اسلامی ممالک اس کی ذمہ داری قبول کریں اور حرمین شریفین سے سعودی حکومت کے ہاتھوں کو نتیجہ میں امریکہ اور اسرائیل کے ہاتھوں کو بالکل الگ کر دیا جائے۔

یہاں تک کہ اگر جزیرۃ العرب کے رہنے والے بھی حج وعمرہ میں شرکت کرنا چاہیں تو وہ بھی اس بین الاقوامی جماعت کی زیر نگرانی اور اس کی ہدایت و رہنمائی میں شرکت کریں جو اس قانون کو نافذ اور رائج کرنے کے لیے بنائی گئی ہے۔ اس طرح کسی ایک شخص کے دست تصرف سے حرمین شریفین نکل کر ان لوگوں کے ہاتھوں میں چلے جائیں گے جن کو تصرف کرنے کا اصلی حق حاصل ہے اور وہ تصرف کرنے والے سارے مسلمان ہیں، اسلامی معاشرہ ہے۔ اور اس طرح غیروں یا غیر پرستوں کے ہاتھ کٹ کر رہ جائیں گے۔

طھر بیتی للطائفین والقائمین والرکع السجود (حج/۲۶) کے یہی معنی ہیں۔ یعنی اے ابراہیم میرے گھر کو ہر طواف کرنے والے اور عبادت کرنے والے کے لیے پاک رکھنا۔ اگر کوئی بچہ ناسمجھی میں خانۂ خدا کو کثیف کر دے تو خدا چند آیتوں کے ذیل میں ابراہیم اور اسماعیلؑ جیسے پیغمبروں کو اس کو پاک کرنے کا تاکیدی حکم دے، تو اصولی طور پر اس کی کیا اہمیت رہ جاتی ہے۔ لہٰذا پاک کرنے سے مراد یہ ہے کہ اغیار اور دوست نما دشمنوں سے پاک کرنے کی ضرورت ہے۔ اس بات کی ضرورت ہے کہ ایسے افراد خانۂ کعبہ کے قریب پھٹکنے بھی نہ پائیں، امریکہ اور صیہونیت نے جو حرمین کا ٹھیکہ لے رکھا ہے کعبہ ایسے لوگوں سے پاک کیا جائے۔

دوسری تجویز:

دوسری تجویز یہ ہے کہ ان کتابوں کی نشر و اشاعت کو رد کیا جائے جو فریقین نے لکھی ہیں۔ ان کتابوں میں جو مطالب درج ہوتے ہیں ان سے ان کے عقائد کی توہین ہوتی ہے۔ اس کے اندر ایسی ناروا اور غیر مودبانہ عبارتیں ہوتی ہیں جن سے فریقین کے جذبات کو ٹھیس پہنچتی ہے۔

اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ مسلمانوں کے مختلف فرقوں کے دل میں کینہ کا بیج جڑ پکڑ لیتا ہے، اگر یہ کینہ

جنگ وجدال کا باعث نہ بھی بنے تو بھی کم سے کم اتحاد و اتفاق، محبت اور اخوت اسلامی کو معدوم یا کمزور ضرور کر دیتا ہے اور انھیں وجوہات کی بنا پر دشمن مسلمانوں پر غلبہ حاصل کرتے چلے جا رہے ہیں۔ ان تمام باتوں پر کنٹرول ہونا چاہیے اور یہ ائمہ جمعہ و جماعت اور ہر ملک کے نمایاں اور بڑے علماء کا فریضہ ہے کہ وہ اپنی حکومت سے اس بات کی درخواست کریں اور اپنی قوم کو بھی سمجھانے بجھانے کی کوشش کریں۔

اس کام میں نہایت خلوص کے ساتھ رہبر انقلاب اسلامی امام خمینیؒ کی روش کو نظر میں رکھ کر آگے قدم اٹھانا چاہیے کہ آپ نے تمام اسلامی فرقوں کو کس طرح ایک نظر سے دیکھا ہے اور ان سے ایک ہی انداز سے اسلامی محبت سے پیش آتے رہے ہیں، بحمداللہ جیسا کہ ہماری اسلامی حکومت اور اسلامی پارلیمنٹ ان تمام باتوں سے پاک ہے جس سے انسانوں کے دینی حتیٰ کہ ملی جذبات کو ٹھیس پہنچے۔

اب رہی اسلامی فرقوں کے کتابیں لکھنے، چھاپنے اور اس کی نشر و اشاعت کی بات تو جن کتابوں میں اسلامی اخلاق کی رعایت ہو، استدلال ہو، سوال و جواب مودبانہ انداز میں ہوں اور ہر مسلک و مذہب کا انسان منطقی اور صحیح استدلالی انداز سے "وجادلھم بالتی ھی احسن" کے پیرایہ میں اپنے مذہب کو ثابت کرتا ہو، دوسروں کے بیان میں جو مشکلات نظر آتے ہوں ان کو عقلی اعتبار سے حقیقت حال کو معلوم کر کے انصاف سے قبول یا رد کرنے کا ارادہ رکھتا ہو، تو ایسی تحریروں کو آزادی ملنی چاہیے۔ اس لیے کہ نظریات کا تبادلہ اور بحث و گفتگو اگر منصفانہ ہو تو طرفین کو صراط مستقیم کی طرف کھینچتی اور دلوں کو روشن کر دیتی ہے۔

خدا کا ارشاد ہے:

"ادع الی سبیل ربک بالحکمۃ والموعظۃ الحسنۃ وجادلھم بالتی ھی احسن" (نحل/۱۲۵)

(اے رسولؐ) تم (لوگوں کو) اپنے پروردگار کی راہ پر حکمت اور اچھی اچھی نصیحت کے ذریعے بلاؤ اور بحث و مباحثہ کرو بھی تو ایسے طریقہ سے جو (لوگوں کے نزدیک) سب سے اچھا ہو۔

ارشاد ہوتا ہے:

"ومن احسن قولا ممن دعا الی اللہ" (فصلت/۳۳)

اور اس سے بہتر کس کی بات ہو سکتی ہے جو (لوگوں کو) خدا کی طرف بلائے۔

قرآن مجید کی ایک دوسری آیت بیان کرتی ہے کہ:

ادفع بالتی هی احسن فاذالذی بینك و بینه عداوة کانه ولیّ حمیم (فصلت/۳۴)

ایسے طریقے سے جواب دو جو نہایت اچھا ہو (ایسا کرو گے) تو تم دیکھو گے، کہ جس میں اور تم میں دشمنی تھی گویا وہ تمہارا دل سوز دوست ہے۔

تیسری تجویز:

مذہب اہل سنت میں ایک شہر میں متعدد جگہوں پر نماز جمعہ قائم کرنے کے لئے "کتنا فاصلہ ہونا چاہیے" اس میں اختلاف نظر ہے لیکن ائمہ اربعہ کی اکثریت نے قریب قریب کم فاصلے پر نماز جمعہ قائم کرنے کی اجازت نہیں دی ہے۔

مثلاً کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ جلد اول کے مطابق شافعی حضرات یہ کہتے ہیں کہ ایک ہی جگہ پر کئی نمازیں قائم کی گئی ہیں اور متعدد جمعوں کے قائم کرنے کی ضرورت نہیں ہے یا متعدد نمازوں کی ضرورت ہے اگر متعدد مقامات پر نماز جمعہ قائم کی جارہی ہے اور متعدد مقامات پر قائم کرنے کی ضرورت نہیں ہے تو اس مسجد کی نماز صحیح ہے جس میں پہلے نماز جمعہ شروع ہوجائے (یعنی باقی نمازیں باطل ہیں) اور اگر تمام ائمہ جمعہ نے ایک ساتھ نماز شروع کردی تو سب کی نماز جمعہ باطل ہوگی لہٰذا امام شافعی ایک ہی شہر میں متعدد جگہوں پر نماز جمعہ کی اجازت نہیں دیتے، مگر یہ کہ اس ایک جگہ پر سب لوگ نہ سما سکتے ہوں۔

مالکی اور حنبلی کا بھی یہی مذہب ہے۔ ہاں امام ابوحنیفہ کئی نمازوں کو قائم کرنے کی اجازت دیتے ہیں لیکن وہ اس بات کے معتقد ہیں کہ اگر مثلاً کسی دوسری مسجد میں اس مسجد سے پہلے نماز شروع ہوجائے تو یہ امام نماز جمعہ کے بعد نماز ظہر بھی پڑھے۔ خلاصہ یہ کہ ائمہ اربعہ میں سے کسی نے بھی ایک شہر میں کئی نمازوں کا مستحب یا واجب ہونا نہیں تسلیم کیا ہے، یا اس وجہ سے میری تمام علماء سے درخواست ہے کہ خدا کے اس بڑے شعار کی تعظیم کے لیے ہر دیہات یا ہر چھوٹے شہر یا بڑے شہر میں جمعہ کی نمازوں کو ایک جگہ ادا کیا جائے اور تمام ائمہ جمعہ ایک ایسے امام کے ساتھ نماز ادا کریں جو ان سب میں اعلم، افقہ، اتقی اور سن رسیدہ ہو۔ اور اگر ایسا کوئی نہ ہو بلکہ منزلت کے اعتبار سے سارے ائمہ برابر ہوں تو باری باری ہر جگہ وہاں کے امام راتب کی

امامت میں جمعہ کی نماز ادا کریں تاکہ اس شعار الہٰی کی شان میں اضافہ ہو اور مسلمانوں کا وجہ اجتماع جو دشمنوں کی آنکھوں میں کھٹکتا ہے اور بھی پرشکوہ انداز اختیار کرلے نیز یداللہ مع الجماعۃ کا مصداق سامنے آجائے۔

اس جگہ مناسب ہے کہ مثال میں ہم ایران کی جمعہ کی نمازیں پیش کریں۔آپ تہران ہی کی مثال لے لیجئے مذہب جعفری کے مطابق دو جگہوں کے درمیان جن میں نماز جمعہ قائم کی جارہی ہے کم سے کم ایک فرسخ کا فاصلہ ہونا ضروری ہے۔تہران میں کئی جگہ جمعہ کی نماز ہوسکتی ہے اس لیے کہ تہران کا طول و عرض کئی فرسخ ہے۔ایک ایک فرسخ کی رعایت سے متعدد جگہوں پر نماز جمعہ قائم کی جاسکتی ہے لیکن اس کے باوجود ایک مرکزی جگہ پر تہران کے ہر طرف کے رہنے والے جمع ہو کر عظمت اسلام کو اجاگر کر رہے ہیں۔

اس کے علاوہ ایران میں یہی اجتماعات تمام ملت ایران کے لیے درحقیقت ایک پناہ گاہ ہیں۔ داخلی اور خارجی رابطے کے ذریعہ سماج کی ضرورتیں کیسے پوری ہوں یہ بات نماز جمعہ ہی میں بیان کی جاتی ہے۔

چوتھی تجویز:

برادران اہل سنت کے علماء اعلام اور دانشور نیز صلح کے طالب افراد جو حقیقتاً اسلام، مسلمان نیز ہر طرح کے اتحاد سے محبت رکھتے ہیں، ان کی خدمت میں، میں یہ درخواست کرنا چاہوں گا کہ مسلمانوں کے فرقے آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ جو سلوک کرتے تھے اور ان کا آپس میں جو سلوک ہوتا تھا اس پر تجدید نظر فرمائیں۔ذرا واضح انداز میں یوں کہا جاسکتا ہے کہ اہل سنت کے چاروں فرقے اپنے جعفری مسلک والے بھائیوں کے بارے میں جس انداز کا مظاہرہ فرماتے تھے اس پر پھر سے غور کریں اور اسی طرح شیعہ حضرات بھی برادران اہل سنت کے ساتھ اپنائے گئے اب تک کے رویہ پر تجدید نظر فرمائیں اور اس نکتہ پر توجہ دیں کہ ہمارے درمیان اختلاف کی بنا پر ہم لوگوں کو جو کمزوری و انحطاط کا سامنا کرنا پڑا ہے، یا ہمارے ملکوں میں جو دشمنوں کے لیے راستہ کھلا ہے اور وہ ہمارے اوپر مسلط ہو گئے ہیں اور ہماری تہذیب، اقتصاد اور ہمارا قرآنی وجود غیروں کی دستبرد کی نذر ہو گیا ہے، یہ سب ہمیں سے متعلق ہے یعنی طرفین کے علماء اس کے ذمہ دار ہیں۔ان ساری آفتوں کا سبب علماء کی گفتگو، تحریر اور روش ہے، مسلمان تو اپنے علماء کی روش پر چلتے رہے ہیں۔ہم کو کمال تاسف کے ساتھ اس حقیقت کا اقرار کرلینا چاہیے اور اب اپنے

کیے ہوئے پر غور کرنا چاہیے۔ اور اس غور و فکر و تامل کی راہ میں سابق میں جو قدم اٹھائے گئے ہیں ان سے استفادہ کرنا ضروری ہے۔ جیسے "موسسہ دار التقریب بین المذاہب" کا اقدام، ایران میں آقائے بروجردی مرحوم کا اقدام، نجف میں کاشف الغطا کا رویہ، مصر میں شیخ شلتوت کا اقدام وغیرہ اور اصولی طور پر ہمیں یہ بھی دیکھنا چاہیے کہ شیعہ اور سنی کے درمیان مشترک باتیں زیادہ ہیں، یا ایک دوسرے کو جدا کرنے والی باتیں زیادہ ہیں؛

اس بات کی توضیح کے لیے عرض ہے کہ ہمارے تمام دینی قوانین بلکہ تمام آسمانی ادیان اور شریعتیں تین حصوں میں تقسیم ہوتی ہیں۔ یعنی اعتقادات، اخلاق اور اعمال۔

اعتقادات یعنی فکر کے افعال اور وہ چیزیں جن پر ہم دل میں یقین رکھتے ہیں۔

اخلاق یعنی روح کے صفات اور اوصاف۔

اعمال یعنی اعضاء و جوارح کے کام دین کے نام پر خدا کی طرف سے انبیاء کرام اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہونے والے تمام احکام انھیں تین حصوں سے متعلق ہیں —— اصول عقائد میں عقیدہ سے مربوط ہونے والے واجبات اور محرمات ہیں، مثلاً توحید کا عقیدہ واجب ہے، شرک کا عقیدہ حرام ہے۔

—— اخلاقی احکام سے مراد انسانی اخلاق سے متعلق اسلام کے بیان کیے ہوئے قوانین ہیں، مثلاً، شجاعت و سخاوت اچھی صفت ہے، بزدلی اور بخل بری صفت ہے۔

—— احکام اعمال میں جسم سے متعلق ہونے والے واجبات اور محرمات داخل ہیں، مثلاً نماز اور زکوٰۃ کا وجوب، زنا اور شراب نوشی کی حرمت۔

اہل سنت اور شیعہ کی کتابوں کا سرسری مطالعہ رکھنے والا بھی اس بات سے بخوبی واقف ہے کہ مسلمانوں کے تمام فرقوں کے علماء مذکورہ تینوں باتوں سے متحد ہیں، مثلاً توحید، صفات سلبیہ، رسالت انبیاء، کتب آسمانی، معاد اور اس کے خصوصیات، مثلاً حساب، کتاب، بہشت، دوزخ، شفاعت وغیرہ کے عقیدہ میں دونوں مشترک ہیں۔

اخلاق کے موضوع پر شیعوں کی لکھی ہوئی کتابوں کا اگر مطالعہ کیا جائے تو ایک فیصد بھی اختلاف نہیں نظر آئے گا۔

سنی عالم امام غزالی کی لکھی ہوئی کتاب احیاء العلوم اور شیعہ عالم فیض کاشانی کی لکھی ہوئی کتاب "محجۃ البیضاء" کا اگر مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ ہر بات میں ملا فیض نے غزالی کے لکھے ہوئے ہر باب کا

خلاصہ لکھ کر مزید ائمہ کی حدیثیں بھی تحریر فرمائی ہیں ان دونوں میں کچھ زیادہ اختلاف نہیں ہے اور اگر اختلاف ہے بھی تو خود ان دونوں فرقوں کے علما میں بھی آپس میں اتنا جزوی اختلاف پایا جاتا ہے۔

اگر فقہی کتابوں کا باب "طہارت" سے لے کر "دیات" تک مطالعہ کیا جائے تو تمام فقہی کتابوں کے بہت سے مسائل میں خود ایک ہی فرقہ کے درمیان اختلاف نظر آئے گا۔ یہاں پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ شیعہ سنی فقہ میں اختلاف زیادہ ہیں یا خود مذاہب اربعہ کا آپسی اختلاف زیادہ ہے؛ کسی مسئلہ میں امام ابوحنیفہ کی رائے الگ ہے تو امام شافعی کا مسلک کچھ اور ہے۔ امام جعفر صادقؑ کا نظریہ جدا ہے۔ کہیں ایک مسئلہ میں سب متفق ہیں کہیں جعفری اور شافعی متفق ہیں اور حنفی و مالکی کا قول الگ ہے غرض کہ علما شیعہ کوئی عظیم بنیادی اور واضح اختلاف نہیں رکھتے کہ جن کا فتویٰ دین اور ضروریات مذہب کے خلاف ہو بلکہ دوسرے فقہا کی طرح شیعوں کا بھی ایک نظریہ ہے اور اس کے پس پردہ کوئی نہ کوئی آیت اور روایت بھی موجود ہے۔ اس بنا پر اختلاف اختلاف کا شور بے معنی ہو جاتا ہے۔

ایک موضوع ایسا ہے جو اختلافات کی بنیاد ہے جس سے سب واقف ہیں یعنی مسئلہ امامت، اس سلسلہ میں شیعہ اور سنی دونوں کا مسلک الگ الگ ہے۔ مگر اس کے باوجود رہبری کے مسئلہ میں سب متفق ہیں یعنی ایک معاشرہ کے لیے ہر زمانہ میں کسی امام، مقتدا، پیشوا اور سرپرست کے وجود کی ضرورت کو سب تسلیم کرتے ہیں۔ اور عقلی طور پر بھی یہ بات قابل قبول نہیں ہے کہ کروڑوں انسان بغیر کسی پیشوا کے زندگی بسر کریں اور جانوروں کے اس گلہ کی طرح بھٹکتے ہوئے بھیڑیئے کا شکار ہو جائیں جس کا کوئی محافظ نہیں ہوتا۔ آٹھویں امامؑ نے فرمایا کہ "لا بدّ لکلّ قوم من امام برا کان او فاجرا، چاہے اچھا ہو یا خراب ایک پیشوا کا ہونا ضروری ہے۔ لہٰذا اصل مسئلہ امامت میں کسی کو اختلاف نہیں ہے بلکہ اختلاف اس بات میں ہے کہ مصداق امامت اور خلافت کون ہے یا طریقۂ انتخاب کیا ہے؟

آج جب کہ دنیا ہماری مخالفت پر کمربستہ ہے اور ہمارا دشمن، دشمن قرآن و خدا ہے، تو کیا ہمارے لیے یہ مناسب ہے کہ ہم فرقوں کے اختلاف کو بہانہ بنا کر آپس میں ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہو جائیں؟ ایسے موقع پر ہم کو متحد ہو کر اس دشمن سے مقابلہ کرنا چاہیے جو دشمن خدا اور قرآن ہے۔ اور ان بزرگوں کا طریقہ اپنانا چاہیے جنھوں نے اسلام کی حفاظت کے پیش نظر تلوار نہیں اٹھائی۔

پانچویں تجویز:

ہر سال تمام اسلامی ملکوں کے ائمہ جمعہ و جماعت کا ایک اجتماع ضروری ہے تاکہ وہ آپس میں بیٹھ کر ایک دوسرے سے متعارف ہوں، نظریات کا تبادلہ کریں، موجودہ عالمی صورت حال کے پیش نظر اسلامی فریضہ کے تعین کے ساتھ ساتھ عالم اسلام کو درپیش مسائل سے مقابلہ کرنے کے لیے کوئی موثر قدم اٹھائیں۔ ایسے جلسے حسب صوابدید باری باری الگ الگ ممالک میں منعقد کیے جائیں تاکہ خداوند عالم کے مشورہ کرنے کے حکم پر عمل ہو جائے اور مسلمان اپنے مسائل کا حل بھی ڈھونڈ لیں۔

چھٹی تجویز:

ایک عالمی غیر سودی بینک کا قیام عمل میں آنا ضروری ہے، جس میں اپنے امکانی وسائل کے مطابق ہر اسلامی ملک شریک ہو، اس کے بجٹ وغیرہ کی فراہمی اور بینک چلانے کے لیے مختلف معاملات انجام پائیں۔ مثلاً ایک یا چند اسلامی ممالک کے لیے کسی ایک یا کئی ملکوں سے اجناس خریدے جائیں اور کم فائدہ پر اسے ضرورت مند ملکوں کو فراہم کیا جائے، لیکن اس میں بہت زیادہ احتیاط کی ضرورت ہے تاکہ دوسروں کے نفوذ اور وابستگی سے بچا جا سکے اور مشرق و مغرب کی مسموم ثقافت اثر انداز نہ ہو۔

ان بینکوں سے ضرورت کے مطابق قرضہ بھی دیا جائے تاکہ غیروں کے سامنے دست سوال دراز کرنے کی ضرورت نہ پڑے، کیوں کہ دوسرے جب تک دین و ایمان کا سودا نہیں کر لیتے اس وقت تک ذرہ برابر بھی مدد کے لیے آمادہ نہیں ہوتے۔

ساتویں تجویز:

علوم اسلامی کے سلسلہ میں ایک مجلس تحقیق اور اکیڈمی کا قیام بھی انتہائی ضروری ہے، جس میں اسلامی اور انسانی موضوعات پر غور و خوض کیا جائے۔ یہ اکیڈمی مختلف علوم کے ماہر مسلمان دانشوروں کی مدد سے کسی اسلامی ملک میں بنائی جائے اور اس میں احکام و قوانین اسلام، قرآن اور اس سے متعلق علوم، پر ضروری اور عمیق بحث ہو۔ قرآن کریم نے جن علوم و فنون کا اجمالی یا تفصیلی تذکرہ کیا ہے ان کا جائزہ لیا جائے۔

دنیا کے مختلف علوم وفنون اوران کے بارے میں قرآنی نظریہ کا تقابلی مطالعہ کیا جائے۔ مشرق ومغرب کے وسیع نظام اقتصاد اور قرآن وسنت کے نظریہ اقتصاد کا تقابلی مطالعہ ہو خلقت انسان وحیوان کے ارتقائی مسائل اور دوسرے مختلف علوم مثلاً علم کلام، فلسفہ، عرفان، تصوف، معاشیات، نفسیات، ہیئت، نباتات، فیزکس، کیمسٹری تاریخ اور فلسفۂ تاریخ میں غور وخوض کیا جائے۔ اصول وفروع دین نیز دین کے دوسرے پہلو کا توریت وانجیل اور دوسرے مذاہب سے تقابلی مطالعہ پیش کیا جائے۔

غرض کہ ایک ایسی اکیڈمی ہو جس سے مشکل اور ضروری مسائل میں اس کی طرف رجوع کیا جائے اور توریت، تلمود، انجیل، پوپ کیپٹیل ازم، کمیونزم، سوشلزم وغیرہ کی طرف دست گدائی بڑھانے کی ضرورت نہ ہو بلکہ دوسرے افراد علوم اسلامی کے محتاج نظر آئیں ایسی اکیڈمی کا قیام میرے نزدیک بہت ضروری ہے اور اس سے بے اعتنائی اسلام سے لاپروائی کے مترادف ہے۔

آٹھویں تجویز:

ایک ایسی فوج کی تشکیل بھی ضروری ہے جو اسلامی ممالک میں اختلاف یا جنگ کی صورت میں جنگ بندی اور صلح کا کام کرائے وہ فوج وقتی طور پر اقوام متحدہ کے سپاہیوں کی جگہ موجود رہے تاکہ کمزوروں اور مظلوموں کے حقوق کی محافظت ہو کیوں کہ اقوام متحدہ کی فوج تسلط پسند عناصر کی طرف دار ہوا کرتی ہے اس طرح خداوند عالم کے فرمان کی اطاعت بھی ہو جائے گی قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

وان طائفتان من المومنین اقتتلوا فاصلحوا بینھما فان بغت احداھما علی الاخریٰ فقاتلوا التی تبغی حتیٰ تفیٔ الی امر اللہ

اگر مومنین میں سے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو ان دونوں میں صلح کرا دو پھر اگر ان میں سے ایک گروہ دوسرے پر زیادتی کرے تو جو گروہ زیادتی کرے تم اس سے لڑو یہاں تک کہ وہ خدا کے حکم کی طرف رجوع کرے۔ (حجرات/۹)

اس آیت میں "فاصلحوا بینھما" تم ان دونوں کے درمیان صلح کرا دو، یا "فقاتلوا التی تبغی" "جو فرقہ زیادتی کرے تم اس سے لڑو" کا حکم کسی ایک فرد سے ہے یا اجتماع سے ہے؟ اگر فرد نہیں بلکہ جماعت کو یہ حکم دیا گیا ہے تو وہ کون سی جماعت ہے؟ وہ عام انسان ہیں یا، علماء، متقین، اتحاد پسند، خیر خواہ، معارف اسلامی

سے واقف افراد ہیں؟

بہر حال جن لوگوں کو آیۂ کریمہ نے مخاطب کیا ہے میں ان لوگوں سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ خداوندعالم کے حکم کی بجا آوری کے لیے اٹھ کھڑے ہوں اور اگر آیت کے مخاطبین کا تعین نہ ہو تو پھر اس موضوع پر گفتگو کرکے مسئلہ کو حل کیا جائے۔

نویں تجویز:

اسلامی ممالک میں پائے جانے والے پٹرول اور دوسرے معدنیات کے ذخیرہ کے لیے ایک عالمی اسلامی انجمن کا قیام عمل میں آئے۔ یعنی پٹرول اور معدنیات برآمد کرنے والے تمام اسلامی ملکوں سے ایک یا چند افراد اس انجمن میں شریک ہوں اور ضرورت کی چیزوں کے بارے میں گفتگو کریں، وہ اس بات کا جائزہ لیں کہ اسلامی ملکوں میں کن اشیاء کے درآمد یا برآمد کی کتنی ضرورت ہے۔ اور وہ یہ بھی دیکھیں کہ غیر اسلامی ممالک سے تجارتی تبادلہ کے لیے کن کن ملکوں سے رابطہ قائم کرنا بہتر ہے۔

دسویں تجویز:

آخری تجویز یہ ہے کہ تمام اسلامی ممالک جمع ہو کر ایک ہو جائیں اور دنیا کے سارے اسلامی ممالک مل کر ایک بہت بڑی حکومت بنائیں جس کا نام "اقوام متحدہ اسلامی" رکھیں ان ممالک کے سارے اساسی قوانین ختم کر کے صرف ایک قانون پر عمل ہو وہ قانون قرآن کے مطابق ہو۔ تمام سرحدیں ختم کردی جائیں سارے سکے اور نوٹ ختم کر کے صرف ایک طرح کا سکہ یا نوٹ رائج کیا جائے جس پر مکہ، مدینہ قرآن یا لا الہ الا اللہ واللہ اکبر کا نشان ہو۔

تمام فوجی اور انتظامی مراکز پر کلمۂ توحید، اسلام کے مشترک احکام کی تعلیم دی جائے علماء اسلام مسلمانوں کو اخوت اور بھائی چارے کا درس دیں ہر گروہ اور ملت اپنے خاص مذہبی مراسم کی ادائگی میں آزاد ہو۔ اور قرآن کے احکام کے مطابق ہر جگہ عمل کیا جائے۔ مختصر یہ کہ ایک وسیع ملک کی داغ بیل ڈالی جائے جو کروڑوں مسلمانوں کو پرچم "لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ" کے نیچے جمع کردے، ایسا ملک جو اپنے معدنی ذخائر کے ساتھ ساتھ غنی اور بے نیاز اسلامی تہذیب اور ثقافت سے مالا مال ہو، اور اگر کبھی کسی اقتصادی یا اجتماعی مسئلہ

میں کسی قسم کا شک و تردد پیدا ہو جائے تو قرآن و سنت اور عقل کے اصلی منابع کی طرف رجوع کر کے ان کا حل تلاش کر لیا جائے اور اس طرح ملک کے داخلی دشمنوں کی شناخت کر کے انھیں خارجی دشمنوں کے مانند ذلت و خواری سے باہر ہنکایا جا سکتا ہے اور دنیا کی بڑی طاقتوں کو اپنا مطیع بنا کر اسلام کے مجد و عظمت کی تاریخ دوہرائی جا سکتی ہے کیوں کہ خداوند عالم کا ارشاد ہے ولقد سبقت کلمتنا لعبادنا المرسلین انھم لھم المنصورون و ان جندنا لھم الغالبون ۔ (صافات / ۱۷۱)

اور اپنے خاص بندوں، پیغمبروں سے ہماری بات پکی ہو چکی ہے کہ ان لوگوں کی (ہماری بارگاہ سے) یقینی مدد کی جائے گی اور ہمارا لشکر تو یقیناً غالب رہے گا۔

دوسرے مقام پر ارشاد ہے:

وعد اللہ الذین آمنوا منکم وعملوا الصالحات لیستخلفنھم فی الارض
کما استخلف الذین من قبلھم ولیمکنن لھم دینھم الذی ارتضی لھم
ولیبدلنھم من بعد خوفھم امنا یعبدوننی لایشرکون بی شیئاً (نور / ۵۵)

اے ایمان دارو! تم میں سے جن لوگوں نے ایمان قبول کیا اور اچھے اچھے کام کیے ان سے خدا نے وعدہ کیا ہے کہ ان کو (ایک نہ ایک دن) روئے زمین پر ضرور (اپنا) نائب مقرر کرے گا جس طرح ان لوگوں کو نائب بنایا جو ان سے پہلے گزر چکے ہیں اور جس دین کو اس نے ان کے لیے پسند فرمایا ہے (اسلام) اس پر انھیں ضرور ضرور پوری قدرت دے گا اور ان کے خائف ہونے کے بعد (ان کے ہراس کو) امن سے ضرور بدل دے گا کہ وہ (اطمینان سے) میری ہی عبادت کریں گے اور کسی کو ہمارا شریک نہ بنائیں گے۔

کیا وقت نہیں آیا کہ مومنین کو خدا کا وعدہ حرکت میں لائے اور وہ الٰہی وعدہ پر تکیہ کرتے ہوئے عالمی استکبار کے مقابلہ میں قیام کریں خدا کی قسم اگر مسلمان اٹھ کھڑے ہوں تو تمام بڑی طاقتوں کے تانے بانے بکھر جائیں اور وہ کروڑوں مسلمانوں کی طاقت و قوت کے مقابل مکڑی کے جالے (اوھن البیوت لبیت العنکبوت) سے زیادہ کمزور ثابت ہوں۔

خداوندا: عالمی استکبار کی سازشوں اور ان کے خطرناک منصوبوں کے شر کو انھیں کی طرف پھیر دے اور اسلام اور اس کے پیروکاروں کو عظمت و سربلندی عنایت فرما۔ آمین!

اسلامی نظام اور سود کا تصور

پیسہ اور بینک

جناب شہید ڈاکٹر محمد حسین بہشتی

گزشتہ قسطوں میں ربا سے متعلق بنیادی باتوں کی وضاحت کرتے ہوئے پیسہ، سرمایہ، محنت، کام کی قسموں، زراعتی اور صنعتی پیداوار، تقسیم نیز علاج، طبابت، تیمارداری، ٹیچری اور سرکاری وغیر سرکاری دفاتر میں کام جیسی خدمات (سروسز) وغیرہ کی صحیح جانکاری اور ان کا واضح تصور پیش کیا گیا۔

اسی طرح تجارت کے صحیح معنی ومفہوم کی بھی وضاحت کی گئی کہ تجارت بھی ایک طرح کا کام ہے۔ "سپلائی" کا کام، اور مضاربہ کا صحیح معنیٰ "پیداواری کام کے ساتھ تقسیم کے عمل کی مشارکت" سے عبارت ہے۔ یوں ہی "مزارعہ" و "مساقات" سے مراد پیداواری کام کی پیداواری کام کے ساتھ مشارکت ہے۔ اجارہ کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ کسی شخص کے جاری یا ذخیرہ شدہ کام کو کرایہ پر حاصل کیا جائے۔ یہ وہ بنیادی بحثیں تھیں جو گزشتہ قسطوں میں بیان کی گئیں اور گزشتہ شمارہ میں اس نتیجہ پر پہنچے تھے کہ "پیسہ" کسی دستاویز یا گودام کی رسید سے عبارت ہے۔ لہذا پیسہ کی خود اپنی کوئی حقیقت نہیں ہے اور کسی معقول وصحت مند اقتصادی نظام میں حوالہ، دستاویز اور گودام کی رسید کی خرید وفروخت اور اس کا معاملہ نہیں کیا جاتا۔ لہذا پیسہ کو کرایہ پر نہیں دیا جا سکتا اور سود پر پردہ ڈالنے کے لیے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ ہم نے تو پیسہ کو کرایہ پر دیا ہے۔ کیوں کہ گھر کرایہ پر ضرور دیا جاتا ہے لیکن گھر کے مالکانہ کاغذات اور اس سے متعلق دستاویزیں کرایہ پر ہرگز نہیں دی جاتیں۔ اب اگر کوئی شخص پیسہ کو کرایہ پر دیتا ہے تو یہ دھوکا اور فریب ہے

البتہ ایسا بھی نہیں ہے کہ بینک پر کسی قسم کا معاملہ ہو ہی نہیں سکتا۔ بینک پر بھی کچھ معاملے انجام پاتے ہیں لیکن وہ بہت ہی محدود نوعیت کے ہیں جن کے بغیر زندگی کی گاڑی آگے بڑھ ہی نہیں سکتی وہ معاملے حسب ذیل ہیں :

۱۔ پیسوں کی تبدیلی:

آپ کے پاس پانچ پانچ سو روپے کے نوٹ ہیں۔ اگر آپ صبح صبح بس میں سوار ہوتے وقت کنڈکٹر کو پانچ سو کا نوٹ تھما دیں تو اس کا ردعمل کیا ہوگا، بخوبی واضح ہے۔ وہ اپنے سخت ردعمل میں حق بجانب بھی ہے کیوں کہ وہ نہ تو اپنے پاس پانچ سو روپیہ کا خردہ رکھ سکتا ہے۔ اور اگر ہو بھی تو دوسرے مسافر کو کیا دے گا —— اور نہ ہی بس روک کر کسی بینک سے خردہ کرا سکتا ہے۔

دنیا کے ہر مالی نظام میں پیسہ عوام کے ہاتھوں میں دو شکلوں میں ہوتا ہے۔ چھوٹی کرنسی اور بڑی کرنسی، نہ ہر جگہ چھوٹی کرنسی استعمال کی جا سکتی ہے اور نہ ہر مقام پر بڑی کرنسی مشکل کو حل کر سکتی ہے۔ اگر آپ دو لاکھ روپے کا کوئی گھر خریدنا چاہتے ہیں اور اپنے ساتھ پچاس پچاس پیسہ کے چار لاکھ سکے لے کر رجسٹری کرانے جائیں تو اس وقت گھر بیچنے والے کا ردعمل کیا ہوگا، تشریح کی ضرورت نہیں ہے۔ لہٰذا کہیں پر چھوٹی کرنسی کی ضرورت ہوتی ہے اور کہیں پر بڑی کرنسی کی اور چھوٹی و بڑی کرنسی کا تبادلہ زندگی کی ایک ضرورت ہے اور مالی نظام کا ایک لازمی جزو ہے۔ اب یہ پیسہ چاہے سونے چاندی کے سکوں کی شکل میں ہو یا کاغذی نوٹ کی صورت میں اگر کوئی شخص چھوٹی بڑی بہت سی کرنسیاں اکٹھا کر کے کرنسیوں کی تبدیلی کا کاروبار شروع کر دے اور ہر ضرورت مند کو اس کی ضرورت کی کرنسی فراہم کر دے تو یہ بھی ایک طرح کا کام ہے البتہ وہ اپنی محنت کے بقدر اجرت بھی لے سکتا ہے۔

اس دور میں یہ کام بینک، مفت میں انجام دیتے ہیں کیوں کہ بینک کے ملازموں کو سود سے حاصل ہونے والی رقم سے تنخواہ مل جاتی ہے۔ لیکن اگر کوئی بینک سود نہ لیتا ہو تو وہ اس قسم کی خدمات کے بدلہ میں یقیناً اجرت لے گا اور اس میں کوئی حرج و قباحت بھی نہیں ہے اور اس عمل کو "صرافہ" کہا جاتا ہے۔

پرانے زمانہ میں جب کہ بڑی کرنسی سونے کی اور چھوٹی کرنسی چاندی یا تانبے کی ہوتی تھی۔ صراف سونے کے سکے لے کر چاندی یا تانبے کے سکے دیتا تھا یا چاندی تانبے کے سکے لے کر سونے کے سکے دیتا تھا اور اس کے بدلہ میں اجرت بھی لیتا تھا۔ جب رفتہ رفتہ اس شخص کے پاس پیسوں کا انبار لگ گیا اور ہر وقت دکان میں

کچھ پیسہ باقی بچنے لگا تو اس نے سودی قرضہ بھی دینا شروع کر دیا، اسی لیے آج ہماری معیشت اور ہمارے ذہن میں لفظ "صرّاف" سود خور کا مترادف بن گیا ہے، حالاں کہ ابتدا میں ایسا نہ تھا۔ صرّاف اسے کہتے تھے جو چھوٹی بڑی کرنسیوں کا تبادلہ کرتا تھا پیسہ پر معاملہ کی یہ ایک قسم ہے۔

۲- زرمبادلہ:

پیسہ پر معاملہ کی ایک اور قسم جس کی آج کے مالی نظام میں اشد ضرورت ہے (اور جب تک دنیا میں یکساں مالی نظام قائم نہیں ہو جاتا اور ہر ملک میں ایک ہی طرح کی کرنسی رائج نہیں ہو جاتی اس کی ضرورت باقی رہے گی) وہ غیر ملکی کرنسیوں کا تبادلہ ہے۔ یہ معاملہ بھی قدیم ایام سے رائج ہے کیوں کہ ایک ملک کی کرنسی دوسرے ملک میں اپنا اعتبار کھو بیٹھتی ہے۔ آج کی طرح سے کل بھی ہر علاقہ کا ایک حاکم و امیر ہوتا تھا اور وہ اپنی قلم و حکومت کے لیے مخصوص سکہ ڈھلواتا تھا۔ اور وہ اسی علاقہ میں رائج ہوتا تھا۔ لہٰذا ایک ملک سے دوسرے ملک میں تجارت کے وقت کرنسیوں کی تبدیلی کا مسئلہ پیش آتا تھا اور چوں کہ اس معاملہ میں ربا اور سود کا امکان تھا، لہٰذا شریعت نے "صرف" کے احکام بڑی باریکی کے ساتھ بیان کیے ہیں تاکہ ہر قسم کے ناجائز استفادہ کا سدباب ہو جائے۔ غیر ملکی کرنسیوں کا تبادلہ آج بھی اپنی پوری اہمیت کے ساتھ برقرار ہے۔ آپ کے پاس مثلاً ہندوستانی روپیہ ہے۔ آپ کویت سفر کرنا چاہتے ہیں، وہاں ہندوستانی روپیہ رائج نہیں ہے، لہٰذا دینار خریدنے پر مجبور ہیں۔ ہندوستانی روپیہ دے کر کویتی دینار حاصل کریں گے۔ یہ بھی ایک طرح کا "صرف" ہے یعنی کرنسی کا کرنسی سے تبادلہ۔ غیر ملکی کرنسیوں کا معاملہ۔ جو شخص کل یہ کام کرتا تھا وہ اپنی محنت کی اجرت بھی طلب کرتا تھا، آج کے بینکوں میں بھی یہ معاملہ رائج ہے اور وہ اپنے کام کی فیس وصول کرتے ہیں۔

بس کرنسیوں کی تبدیلی کی حد تک ہی پیسہ پر معاملہ رائج ہے اور اجرت کی ایک خاص مقدار بھی مدنظر رکھی جاتی ہے۔ روزانہ مختلف کرنسیوں کی قیمت بھی اعلان کی جاتی ہے لیکن ان کی کرنسیوں کی سامان تجارت کی حیثیت سے خرید و فروخت نہیں ہوتی بلکہ وہ قوت خرید کے ایک عامل کی حیثیت سے خریدے اور بیچے جاتے ہیں۔ اسے یوں سمجھئے کہ آپ کے پاس کسی گودام کی رسید ہے جو فارسی میں لکھی ہوئی ہے جب کہ اس گودام کے تمام کارکن فارسی سے ناواقف ہیں، ایسے میں آپ اپنا مقصود نظر مال حاصل کرنے کے لیے ایک مترجم کا سہارا لینے پر مجبور ہیں جو اس فارسی کی دستاویز کو ترجمہ کر کے گودام کے کارکنوں کو سمجھا سکے۔ ترجمہ

کرنے والا اپنے اس عمل کا محنتانہ بھی آپ سے وصول کرے گا لیکن گودام کی رسید، رسید ہی رہے گی اس سے زیادہ اس کی کوئی حیثیت نہ ہوگی۔ اگر اسلام کے اقتصادی قوانین اور دین کے مالی نظام نے صرّافی کے عمل کو تسلیم کیا ہے تو اس کا کوئی تعلق، پیسہ کی واقعی حیثیت سے نہیں ہے، کرنسی کی حیثیت گودام کے حوالہ اور رسید ہی کی رہے گی اس میں کسی قسم کی تبدیلی واقع نہ ہوگی۔ گودام کی رسید، جنس میں تبدیل نہ ہو جا سکے گی۔ پیسہ پھر بھی سامان تجارت نہ بن سکے گا۔ کیوں کہ خود پیسہ ذخیرہ شدہ کام نہیں ہے اور جنس ومتاع ذخیرہ شدہ کام کو کہتے ہیں۔ جنس ومتاع کی یہی صحیح تعریف ہے۔ اگر کرنسی کی قیمت ذخیرہ شدہ کام کے لحاظ سے معین کرنا چاہیں تو پانچ سو روپے کے نوٹ کی اتنی ہی قیمت ہوگی جتنی ایک کاغذ پر چھپے ہوئے نقش ونگار کی ہوتی ہے نقش ونگار سے آراستہ اس سائز کے کاغذ کی کیا قیمت ہے؟ کبھی کبھی تو وہ اتنا بے قیمت ہوتا ہے کہ کوڑے دان میں پھینکنے کے لائق ہوتا ہے۔

لہٰذا یہ قطعی صحیح نہیں ہے کہ اقتصادی نظام میں کرنسی کی حیثیت تبدیل کر کے اسے جنس ومتاع اور سامان تجارت کا جانشیں بنا دیا جائے۔ یہ عمل، اقتصادی نظام کی عمارت میں پہلی ٹیڑھی اینٹ رکھنے کے مترادف ہے کہ پھر ثریا تک دیوار ٹیڑھی ہی جائے گی۔

عصرحاضر میں بینک کی حیثیت:

اس مقام پر یہ سوال بھی سامنے آتا ہے کہ آج کے اقتصادی نظام میں بینک کی کیا حیثیت ہوگی؟ آج لوگ بینک کے محتاج ہیں۔ اور بینک کے بھی اپنے اخراجات ہیں۔ جو لوگ اپنا پیسہ بینک میں رکھتے ہیں انہیں اس کا ماحصل بھی چاہیے ورنہ کون اپنا پیسہ بینک میں رکھے گا۔ پس عصر حاضر میں بینک کی دو شکلیں ہیں۔ ایک اس کے اخراجات اور دوسرے اس میں جمع کیا جانے والا سرمایہ کہ وہ یوں ہی بے کار نہ پڑا رہے۔

بینک کی ضرورت:

اس سوال کے جواب کے لیے پہلے بینک میں انجام پانے والے امور کا جائزہ لیا جانا چاہیے اس وقت یہ معلوم ہو سکے گا کہ آج بھی بینک کی ضرورت ہے یا نہیں؟

بینک کا ایک کام پیسوں کی حفاظت ہے۔ ہماری آج کی زندگی میں پیسہ کی حفاظت اور اسے

ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنا ایک بہت بڑی مشکل ہے خاص طور سے اگر اس کی مقدار زیادہ ہو۔

دوسری شکل، کرنسی کا حجم ہے۔ عصر حاضر کی انتہائی متحرک معیشت میں اگر سارے معاملات نقد کرنسی کی شکل میں انجام دیئے جائیں تو کرنسی کی ایک بھاری مقدار ہر وقت ہر شخص کے ہاتھوں اور صندوقوں میں موجود رہنی چاہیئے اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ جس ملک میں بینک سسٹم کے تحت چلنے والی معیشت میں ۵۰ ارب روپیہ سے کاروبار زندگی بخوبی چل رہا ہے وہاں نقد معاملہ کی صورت میں ۵۰ کھرب روپیہ بھی ناکافی ہوگا۔ آج جو پیسہ آپ چک کی صورت میں ادا کر رہے ہیں اگر نقد کرنسی کی شکل میں ادا کرنا چاہیں تو سوچیئے نقد کرنسی کا حجم کتنا زیادہ بڑھ جائے گا۔ بعض حالات میں تو یہ حجم سو فیصد سے بھی زیادہ بڑھ جائے گا۔ اور موجودہ مقدار سے سو گنا زیادہ کرنسی چھا پنا نہ جانے کتنی مشکلات کو جنم دے گا۔ افراط زر کی شرح کئی گنا بڑھ جائے گی اور گردش میں رہنے والے نیز گردش سے باہر پیسہ کی مقدار کا حساب اور کنٹرول بھی ہاتھ سے نکل جائے گا اور یہ معلوم ہی نہ ہو سکے گا کہ کتنا پیسہ مارکیٹ میں رننگ کر رہا ہے اور کتنا پیسہ گھروں میں پڑا سڑ رہا ہے۔

جن لوگوں کے ہاتھوں میں پیسہ ہوگا وہ اگر ناجائز فائدہ اٹھانا چاہیں گے تو تھیلیوں کا منہ کھول کر پانچ دن کے اندر اندر قیمتوں میں پانچ گنا اضافہ کر دیں گے پھر اپنی تھیلی کا منہ بند کر کے قیمتیں گرا دیں گے اور اسی طرح مصنوعی طور پر قیمتوں میں کمی و زیادتی کرتے رہیں گے۔ البتہ ہم گزشتہ مقالات میں یہ بتا چکے ہیں کہ ایک صالح حکومت کی طرف سے قیمتوں کی تعیین اور اس کا کنٹرول خصوصی و شخصی ملکیت کے قائل اقتصادی نظام میں پیدا ہونے والی مشکلوں کو حل کرنے کے لیے بنیادی و کلیدی ذریعہ ہے۔ لیکن ہم ان شکلوں کو وجود میں آنے ہی کیوں دیں؛ اسے آسان طریقہ سے کیوں نہ حل کریں؛ یعنی بینک قائم کریں، چک ارشو کریں، کرنٹ اکاونٹ رکھیں۔ اقتصادی و تجارتی کام کرنے والوں کے لیے کرنٹ اکاؤنٹ ضروری ہے۔ کرنٹ اور بلا سودی سیونگ اکاؤنٹ کے لیے بینک ضروری ہے۔ پس انداز ہر شخص کے لیے ضروری ہے تا کہ مشکل وقت میں وہ پس انداز اس کے لیے سہارا بن سکے۔ سفر، لڑکی کے جہیز، لڑکے کی شادی کے اخراجات، بچوں کی تعلیم کے مصارف، علاج اور ضعیفی کے ایام کے لیے پس انداز ضروری ہے۔ انسان یہ جمع کی ہوئی پونجی کہاں رکھے، گھر میں رکھ کر ہمیشہ اس کی حفاظت کے لیے پریشان رہے اور چوری ہو جانے کا دھڑکا لگا رہے؛ یہ ہرگز صحیح طریقہ نہیں ہے۔ پس ایسی کسی جگہ اور ادارہ کا وجود ضروری ہے، جہاں انسان کرنٹ اور سیونگ اکاؤنٹ کھول سکے اور اب کسی قسم کے شک و شبہ کی گنجائش باقی نہیں رہ جاتی کہ

کرنٹ اور سیونگ اکاؤنٹ ہولڈرز کی سہولت کے لیے بینک کا وجود آج کی ترقی یافتہ زندگی کے لیے ناگزیر ہے لیکن اہم سوال یہ ہے کہ کیا بینکنگ اور سودی نظام لازم و ملزوم ہیں؟ کیا سود دیئے اور لیے بغیر بینک کا نظام نہیں چل سکتا؟ نہیں ایسا ہرگز نہیں ہے۔

آپ بخوبی واقف ہیں کہ بینک کے ان کاموں (کرنٹ اور سیونگ اکاؤنٹ) میں سود کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ سود کے بغیر بھی یہ امور انجام پا سکتے ہیں۔

آپ جب کسی بینک میں کرنٹ اکاؤنٹ کھولتے ہیں تو بہت سی مشکلوں سے بچ جاتے ہیں۔ کیوں کہ خریدار سے لین دین اور پیسہ کی حفاظت کا کام بینک انجام دے دیتا ہے اگر کسی خوب چلنے والی دوکان میں آپ ہر روز گاہکوں سے نقد پیسہ لیں اور باہروں کو نقد پیسہ ادا کریں تو چیک کے لین دین سے کہیں زیادہ وقت صرف کرنا پڑے گا۔ اگر آپ چیک کے ذریعہ لین دین کریں خصوصاً بڑے معاملات میں نقد لین دین کے مقابلہ میں تین چار گنا زیادہ معاملہ کر سکیں گے۔

کیوں کہ ایک لاکھ روپے کا چیک کاٹنا بہت آسان ہے لیکن ایک لاکھ روپے نقد دینا کہیں مشکل ہے۔ گننے میں وقت بھی کافی لگے گا اور غلطی کا امکان بھی بہت ہے خاص طور سے اگر نوٹ چھوٹے ہوں۔ لیکن چیک اس مشکل کو آسان کر دیتا ہے اور یہ سہولت بینک فراہم کرتا ہے جہاں آپ کا اور آپ کے گاہک کا کرنٹ اکاؤنٹ موجود ہے۔ اگر آپ کو نقد پیسہ کی ضرورت ہو تو بینک آپ کو نقد پیسہ ادا کرے گا، اگر آپ کے گاہک کو نقد پیسہ چاہیے تو بھی بینک ہی ادا کرے گا پیسہ کا لین دین درحقیقت آپ کی طرف سے بینک کرتا ہے۔ گویا آپ نے ایک دوسرے ادارہ میں ایک منشی رکھ چھوڑا ہے جو آپ کی طرف سے پیسے لین دین کا کام انجام دیتا ہے۔ لہٰذا آپ کو اس کی تنخواہ بھی دینی ہوگی۔

بینک کے ملازموں کی تنخواہ کی ادائیگی بینک میں کرنٹ اکاؤنٹ رکھنے والوں کی ذمہ داری ہے۔ کیوں کہ یہ ملازمین انہی کا کام کرتے ہیں۔ یہ اجرت وہی چیز ہے جسے ہم "کارمزد" سے تعبیر کرتے ہیں۔ اگر بینک میں کرنٹ اکاؤنٹ رکھنے والا اپنے معاملات کی مقدار کے لحاظ سے نصف فی ہزار یا ایک فی ہزار یا دو فی ہزار "کارمزد" ادا کرے تو کوئی مشکل پیش نہیں آئے گی یہ نہ حرام ہے اور نہ سود ہے۔

سود اور کارمزد میں فرق:

ہم سے بارہا یہ سوال کیا جاتا ہے کہ کارمزد (اجرت العمل) کا کیا حکم ہے؟ کیا یہ سود نہیں ہے؟ اس میں بھی فی ہزار معین کیا جاتا ہے کہ

مثلاً دو فی ہزار دینا ہوگا؛

یہ لوگ سمجھتے ہیں کہ فیصد یا فی ہزار کہنے سے سود ہو جائے گا! سود صرف فی صد یا فی ہزار کہنے سے صادق نہیں آتا کہ اگر اسے ختم کر دیں تو حلال ہو جائے گا اور اگر فی صد کا نام لے لیں تو وہ حرام اور سود ہو جائے گا۔ نہیں ایسا نہیں ہے۔

بعض لوگ اپنے خیال میں حلال سود لینے کے یہ طریقے اختیار کرتے ہیں کہ کسی کو مثلاً پچاس ہزار دیتے وقت کہتے ہیں ایک سال کے بعد ساٹھ ہزار روپے واپس کرنا ہوگا لیکن اسے بیس فیصد اضافہ مت کہنا ورنہ یہ سود ہو جائے گا۔!!

فیصد کہنے یا نہ کہنے سے مسئلہ بدل نہیں جائے گا۔ چاہے آپ فیصد کا نام زبان پر لائیں یا نہ لائیں سود سود ہے اس سے اس کی ماہیت نہیں بدلے گی۔ سود سود ہے اور کارمزد (اجرت العمل) واقعاً محنت کرنے والے کے کام کی اجرت و محنتانہ ہے چاہے فیصد کہا جائے یا نہ کہا جائے۔

کارمزد کے سلسلہ میں نہ چند فی ہزار کے تعین سے گھبرانا چاہیے اور نہ ہی چند فیصد کا لفظ حذف کر دینے سے سود جائز ہو جائے گا۔ جس سے یہ خیال کیا جائے کہ اب ہم حلال سود کھا رہے ہیں۔

آج قرض الحسنہ کمیٹیوں کی توسیع کی راہ میں ایک بڑی مشکل یہی ہے کہ ان کا کام بڑھ چکا ہے اس کے لیے کارکنوں کی ضرورت ہے کارکنوں کو تنخواہ کہاں سے دی جائے؟ اور مجھے تعجب یہ ہے کہ اسے ہمارے بعض روشن خیال دوست بھی اس خدا پسند اور مفید و ضروری کام کی راہ میں حائل سمجھتے ہیں۔ یہ ایک واضح مسئلہ ہے۔ آپ جس فقیہ سے بھی سوال کریں کہ ان قرض الحسنہ اداروں میں کام کرنے والے ملازموں کی تنخواہ کے لیے، قرض لینے والوں سے ایک صحیح اور معقول کارمزد (اجرت العمل) معین کر کے لی جا سکتی ہے یا نہیں، تو اس کا جواب یہی ہوگا کہ لے سکتے ہیں اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

پس کرنٹ اکاؤنٹ، پیسہ کی ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقلی، پیسوں کی تبدیلی وغیرہ جیسے امور سود کی لعنت میں مبتلا ہوئے بغیر بھی بینک انجام دے سکتا ہے اور اس کے بدلے میں اپنے اخراجات کے بقدر معقول و مناسب کارمزد (اجرت العمل) بھی لے سکتا ہے۔

۳۔ کریڈٹ: بینک کا ایک اور کام کریڈٹ دینا ہے۔ کسی ترقی یافتہ نظام معیشت میں اگر بینک کریڈٹ دینا بند کر دے تو معیشت تباہ ہو جائے گی۔ کریڈٹ کی اتنی اہمیت کیوں ہے؟

کریڈٹ کی ایک ضرورت تو یہ ہے کہ اگر کسی تاجر یا صنعت کار کے پاس ضروری سرمایہ نہ ہو تو وہ اپنے کاروبار کو تباہ ہونے سے بچانے کے لیے کسی ادارہ سے کریڈٹ یا اعتبار لے کر اپنے کاروبار کو جاری رکھ سکے۔

اس کے لیے دو طریقے اختیار کیے جا سکتے ہیں۔ ایک وہی طریقہ جو آج کے بینکوں میں رائج ہے۔ یعنی ہر شخص کو اپنی چادر سے زیادہ پیر پھیلانے اور جھوٹا و غیر واقعی سرمایہ رکھنے کی اجازت دے دی جائے، اس کا نتیجہ سماجی و اقتصادی زندگی کو بیمار ڈالنے کے سوا اور کچھ نہ ہوگا۔ آج عملی طور پر بھی ہو رہا ہے کہ کارخانہ میں کام کرنے والے مزدوروں، صارفین اور تقسیم کاروں کی محنت کا ثمرہ کریڈٹ دینے والے — یعنی بڑے سود خور — کی خدمت میں پیش کر دیا جاتا ہے۔ کریڈٹ لینے والا رشوت — لفظی رشوت، مالی رشوت، عملی رشوت — پیش کر کے بے جا تواضع و احترام اور چاپلوسی کر کے کسی بینک یا تنظیم سے کریڈٹ لیتا ہے۔ تاکہ اسے سود ادا کرے۔ اور کبھی کبھی جب خوشامد و چاپلوسی سے کام نہیں چلتا تو فریب و عیاری کا سہارا لیتا ہے کریڈٹ دینے والے کے سامنے دوسرے کے مال کو اپنا مال بتا کر پیش کرتا ہے۔ یہ ایک بیماری ہے انسانی و اخلاقی لحاظ سے انحراف و گمراہی ہے۔

جب انسان سود پر کریڈٹ لے کر تجارت کرے گا تو کم فائدہ پر قانع بھی نہیں ہو سکتا۔ ہر سامان کی قیمت میں اتنا منافع کمائے گا کہ سود خور کا سود بھی ادا کر سکے اور خود اس کے لیے بھی کچھ بچ رہے۔ چنانچہ منافع کے اس بے جا اضافہ کا بوجھ دو طبقوں کو اٹھانا پڑے گا ایک تولید کرنے والے طبقہ کو اور دوسرے صرف کرنے والے طبقہ کو پیدا کرنے والے سے کم سے کم قیمت پر خریدنے کی اور صارفین کے ہاتھ زیادہ سے زیادہ دام پر بیچنے کی کوشش کرے گا۔ اس طرح قیمت کے تعلق سے ایک اجتناب ناپذیر انحراف خود بخود وجود میں آجائے گا۔ اس طرح کے کریڈٹ کا نتیجہ معیشت کی جوئے میں تبدیلی ہے۔ جس میں جیت اور ہار دونوں کا امکان ہے۔

قرض الحسنہ:

کریڈٹ کی ایک دوسری شکل وہ ہے جو واقعی معنوں میں مشکل کشائی ہے۔ ایک انسان میں تجارت و دوکانداری کی صلاحیت ہے۔ تقسیم کا کام انجام دے سکتا ہے۔ لیکن اس کے پاس

اس کام کے لیے ضروری سرمایہ نہیں ہے۔ جب تک کوئی ایسا ادارہ یا تنظیم موجود نہ ہو جو اسے ایک یا دو سال کے لیے ضروری سرمایہ فراہم کرے یہ شخص اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار نہیں لا سکتا۔ ایسے موقع پر ہم "قرض الحسنہ" کے سوا کوئی اور چیز تجویز نہیں کر سکتے۔ ایک اسلامی معاشرہ میں قرض الحسنہ کمیٹیوں کا وجود ضروری و واجب ہے جسے خود عوام تشکیل دیں یا ان کی نمائندہ حکومت قائم کرے۔ اور لوگوں کو سود و ربا کے بغیر ضروری سرمایہ فراہم کرے اس کے لیے سود کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

پیداواری عمل کی صلاحیت رکھنے والے شخص کے لیے بھی یہی ہے۔ ایک شخص ہے جس کے پاس اگر سلائی کی مشین موجود ہو تو وہ دن بھر سلائی کا کام کر کے سو سوا سو روپے کما کر اپنا اور اپنے بال بچوں کا خرچ پورا کر سکتا ہے۔ لیکن اس کے پاس نہ مشین ہے اور نہ مشین خریدنے کے لیے پیسہ، معاشرہ کا فرض ہے کہ وہ اس کے لیے مشین فراہم کرے۔ مگر کیسے اور کہاں سے فراہم کرے پیسے کون دیگا، اس کے لیے ضروری رقم، قرض الحسنہ کمیٹی ادا کرے گی۔ قرض الحسنہ کمیٹی کے پاس یہ رقم کہاں سے آئے گی، کون ہے جو اپنی دولت قرض الحسنہ کمیٹی کے سپرد کرے اور یہ کمیٹی دوسروں کی ضروریات کو پورا کرے؟ اس مشکل کے حل کے لیے اسلام نے دو بہت عمدہ قانون بنائے ہیں۔

اوّل یہ کہ اسلام نے لوگوں کو یہ تعلیم دی ہے کہ: قرض الحسنہ ایک قسم کا انفاق ہے، قرض الحسنہ دینے کا بھی ثواب ہے جسے آخرت میں خدا سے ثواب چاہیے وہ ضرورت مندوں کو قرض الحسنہ دے خدا اس کے بدلے میں کئی گنا ثواب عنایت کرے گا۔ قرض دی ہوئی رقم بھی واپس مل جائے گی اور انفاق کا ثواب بھی ملے گا۔

لیکن سارے انسان اخروی ثواب کے خواہاں نہیں ہوتے کچھ ایسے بھی ہیں جو دنیوی منفعت ہی کے چکر میں رہتے ہیں۔ اس کے بغیر کوئی قدم اٹھانے کو تیار نہیں ہوتے اسلام نے ایسے لوگوں کو بھی قرض الحسنہ دینے پر آمادہ کرنے کے لیے ایک دوسرا قانون بنایا ہے۔

اسلام کا قانون ہے کہ اگر کسی شخص کے پاس سرمایہ موجود ہے اور وہ منجمد ہے۔ تو اسے ہر سال اس مال کی زکات ادا کرنی ہوگی، اگر وہ سرمایہ، پیداوار و تجارت وغیرہ میں گردش نہیں کر رہا ہے ایک جگہ منجمد ہے، تو اس پر ہر سال چند فیصد زکوٰۃ ادا کرنی ہوگی۔ زکوٰۃ سے بچنے کا ایک جائز و قانونی طریقہ یہ ہے کہ سرمایہ گردش کرتا رہے۔ جب آپ کسی کو صنعت و تجارت کے لیے اپنا سرمایہ بطور قرض الحسنہ دیں گے تو

سرمایہ گردش میں آجائے گا اور آپ پر اس سرمایہ کی زکوٰۃ واجب نہ ہوگی۔

قانون زکوٰۃ ــــ یعنی منجمد شکل میں موجود درہم و دینار پر ٹیکس ــــ دنیوی منفعت کو مدنظر رکھنے والوں کے لیے مشوق ہے اور قرض الحسنہ دیتے رہنے کا ضامن ہے۔

آپ سود خوری پر پابندی لگا کر قانون زکوٰۃ کا نفاذ کیجیے پھر دیکھئے قرض الحسنہ کمیٹیوں کے صندوق پیسہ سے لبریز ہوتے ہیں یا نہیں! اس وقت ہر ضرورت مند کو غیر سودی قرض دینے کے بعد بھی پیسہ بچا رہے گا۔

پس اسلامی معاشروں میں غیر سودی قرضہ دینے کے لیے قرض الحسنہ کمیٹیوں کو سرمایہ جمع کرنے کے سلسلہ میں کوئی مشکل پیش نہ آئے گی۔

یہاں تک کی گفتگو سے بینک کے سلسلہ میں کرنٹ اکاؤنٹ، سیونگ اکاؤنٹ، کرنسی کی تبدیلی، بڑے نوٹوں کا چھوٹے نوٹوں سے تبادلہ اور کریڈٹ وغیرہ جیسے مسائل حل ہو گئے کہ یہ تمام امور سود کی لین دین کے بغیر بھی انجام دیئے جا سکتے ہیں۔

یہاں ایک مسئلہ یہ باقی رہ جاتا ہے کہ معاشرہ کی معیشت کی ترقی کے لیے بھاری پیمانہ پر سرمایہ کاری کی ضرورت پیش آتی ہے۔ یہ ضرورت کیسے پوری ہوگی۔ بڑے بڑے عظیم کارخانوں کی تاسیس کے لیے کروڑوں اور اربوں روپے کی ضرورت ہوتی ہے یہ سرمایہ کہاں سے آئے گا، سماجی ضرورتوں کے پیش نظر اربوں کی لاگت سے بلڈنگیں تعمیر کی جاتی ہیں ان کے لیے ضروری سرمایہ کہاں سے آئے گا۔ ہم ان سوالوں کا جواب انشاء اللہ آئندہ قسط میں پیش کریں گے۔ تاکہ غیر سودی بینک کا مسئلہ بنیادی طور پر حل ہو جائے۔ بینک تو ہو لیکن سودی نظام قطعی نہ ہو۔ بینک کی ساری خوبیاں موجود ہوں لیکن اس کے عیوب و نقائص نہ ہوں۔

(... جاری ہے)

دانش مسلمین

جناب محمد رضا حکیمی

ترکستان سے اسپین تک اسلام کا کارنامہ

"ترکستان سے اسپین تک اسلام کا کارنامہ" اس عنوان کے تحت گزشتہ قسط میں اسلام سے قبل ساسانی دور میں علم و ثقافت اور آزادی و کرامت انسان کی صورت حال کا جائزہ لیتے ہوئے سرزمین ایران پر اسلام کی خدمات اور اس کے ذریعہ برپا کیے گئے علمی و اقداری انقلاب پر روشنی ڈالی گئی تھی اور یہ بتایا گیا تھا کہ بعض نادان قوم پرستوں کے نظریات کے برخلاف اسلام کی آمد سے نہ صرف یہ کہ ایران کو نقصان نہیں پہنچا بلکہ اس کی کایا پلٹ گئی، علمی و صنعتی ترقی کے دروازے کھل گئے، حصول علم کی راہ میں حائل پابندیاں برطرف ہوگئیں، اپنے انسانی حقوق سے محروم عوام کو انسانی زندگی میسر ہوگئی اور ....

پیغمبر اکرمؐ کی حیات طیبہ ہی میں دین اسلام پورے جزیرۃ العرب میں پھیل چکا تھا، آں حضرتؐ کے بعد مسلمانوں کے وسیلے سے وہ دیگر ممالک میں پھیلا اور تھوڑے ہی عرصے میں افریقہ کے ساحلوں اور اندلس (مسلم اسپین) کے شہروں سے چین اور ہندوستان کے آخری سرے تک پہنچ گیا۔ اس توسیع اور فتح نے جو فوج سے زیادہ عقیدہ و تہذیب کی فتح تھی (جیسا کہ بے تعصب غیر مسلم مورخوں نے لکھا ہے) ہر طرف اپنے نظریات کو منتقل کر دیا۔ چنانچہ جو قومیں اسلام کے حلقۂ اثر میں آتی تھیں اسلامی آداب و مراسم و سنن سے واقف ہوتی جاتی تھیں جن میں سے ایک علم کی طلب اور فکر و مطالعہ و کتاب کو اہمیت دینا بھی تھا چنانچہ

حالت یہ ہوئی کہ دنیائے اسلام کے ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک جہاں جہاں سورج چمکتا تھا دانش وآگہی کی ہمہ گیر تحریک پرضوفشانی کرتا تھا۔ مساجد، منابر، درس فقہ وحدیث، ادبیات وتفسیر وتاریخ وکلام وعقائد واخلاق وسیاست اسلامی وطبیعات وطب وغیرہ وغیرہ کے ٹھکانے اور اڈے اس قدر تھے کہ اس عہد کی بے ہوش دنیا میں عالم اسلام کی حیثیت علم ودانش کے مرکز اور فکری انجلا وبلندی نظر کے گہوارہ جیسی ہوگئی تھی وہ زمانہ جب کہ شاید پورے یورپ میں ایک درجن پڑھے لکھے لوگ ڈھونڈھے نہ ملتے، نیشاپور میں بارہ ہزار مرصع قلم دان باہر آگئے تھے تاکہ فرزند پیغمبرؐ (امام رضاؑ) کی زبان سے نکلی ہوئی ایک حدیث کو قلمبند کریں۔ اسی طرح تمام شہروں، قصبات ومملکت اسلامی کے دیہاتوں میں علم ودانش رائج ہوگئی اور ان ممالک میں دانش جوئی کی تڑپ نے غلبہ پالیا، علمی مراکز، کتابخانوں اور مدارس کی بنیاد پڑی۔ آبادیاں یکسر علم وبحث کا مرکز بن گئیں، مکہ، مدینہ، کوفہ، بصرہ، دمشق، صنعا، الجزیرہ، تلمسان، بجایہ، احسا، قزوین، رے، بلخ، بخارا، سمرقند، مرو، سرخس، چاچ، فرغانہ، سند، طرابلس، انطاکیہ، حلب حمص، جبل عامل، واسط، قیروان، قاہرہ، بغداد، غرناطہ، قرطبہ، طلیطلہ، فسطاط، اسکندریہ، آرمینیہ، آذربائیجان، طبرستان کے شہر وغیرہ اس کی چند مثالیں ہیں۔

ایسے بیسوں شہروں، آبادیوں اور دیہاتوں حتیٰ کہ مواضعات وجنگلات میں بھی درس وتدریس، آموزش تعلیم، حفظ وتکرار اصولی طور پر رائج ہوگئی۔ اسی زمانے میں ائمہ طاہرینؑ کے معارف کا اچھا خاصہ حصہ بھی نشر ہوا۔ اور یہ سب اس وقت سے پہلے ہوا جب کہ اسلامی ثقافت ومعاشرہ میں ترجمہ کے وسیلے سے اغیار کے تمدن نے گھس پیٹھ شروع کی اس وقت تک بڑے بڑے علم کلام کے ماہر بھی تربیت پاچکے تھے اور شیعہ ومعتزلہ کے اہل فکر ونظر نے علیؑ واولاد علیؑ کی اسلامی تعلیم کے شائع ہونے کے بعد اور قسم قسم کے ترجموں کے اثرات پھیلنے سے پہلے اپنے افکار واذکار پیش کردیے تھے اور اس علمی ماحول نے اسلام کے وسیع حلقہ کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا اور ترکستان سے اسپین تک اپنے اثر ونفوذ کا سکہ جاری کردیا تھا۔

ایران میں اسلامی تہذیب وتمدن:

اسلام نے جہاں جہاں قدم رکھا اتفاق سے کہیں بھی طلب علم نام کی کوئی چیز نہیں تھی نہ تحصیل علم وآگہی وجانکاری کا شمار فرائض عمومی میں ہوتا تھا اگرچہ بعض مقامات پر اشرافیت یا سیاست کی وجہ سے انگلیوں پر

گنی جانے والی تعداد ایسی ملتی تھی جسے رسمی و عمومی فضل و دانش کی طرف زبردستی لے جایا جاتا تھا مگر اس کا اسلام کی وسیع عمومی تعلیم اور ذہنی تعمیر و ترقی سے کوئی مقابلہ نہ تھا۔ بالفاظ دیگر ظہور اسلام سے قبل نہ یہ کہ کہیں پر علم کی طلب واجب نہ تھی بلکہ بہت سی جگہوں پر علم پر پابندی اور ممنوعیت قائم تھی یا تو قانونی طور سے بالکل برملا ورنہ عملاً اور ضمنی طور پر۔

طلب علم کو واجب کر دینے کے اسلامی اقدام سے تحصیل علم لازمی و عمومی ہو گیا اور یہ کہ سارے مسلمان احکام اسلامی کے تعلق سے مساوی ہیں جو واجب ہے وہ سب کے لیے واجب اور حرام سب پر حرام یہ فکری انقلاب ہی اجتماعی انقلاب کی کنجی بن گیا۔ طبقہ واریت ختم ہو گئی، مہمل حد بندیاں ڈھے گئیں، جکڑبندیاں ٹوٹ پھوٹ گئیں، زنجیریں ڈھیر ہو گئیں اور صلاحیتیں اجاگر ہو گئیں عقل نے میدان عمل پایا، خرد آزاد ہوئی، جانیں چونک پڑیں، روحیں زندہ ہو گئیں، فوجی حکومتوں کے پیروں تلے پامال انسان نے تازہ حیات پائی اور ارادہ و اختیار کا شرف اسے دوبارہ واپس مل گیا۔ ہم ایرانی اسلام قبول کر کے قرآن والے بن گئے۔ خالص اسلامی و پاک توحید کو سیکھا اور مجوسی و مانوی و مزدکی ثنویت اور عیسائی تثلیث کی خرافاتی الجھنوں سے نجات پا کر دین توحید رکھنے والے ہو گئے۔ بقول ڈاکٹر عبدالحسین زریں کوب "آغاز کار ہی سے بہت سے ایرانیوں نے جوش و خروش کے ساتھ مسلمانوں کے دین کو قبول کر لیا۔ عرب جو تازہ دین لائے تھے اسے انھوں نے اپنے پرکھوں کے مذہب سے برتر پایا اور مبہم ثنویت اور تاریک زرتشتیت کو اسلام کی بے شائبہ و خالص توحید کے مقابلے میں شرک و کفر مانا اس طرح انھوں نے مسلمانوں کے آئین کو پاک و آسان و درست دین جانا اور شوق و محبت سے اس کے گرویدہ ہو گئے۔"

اسلام کی خالص اور تضاد و شائبہ سے خالی توحید کے بارے میں، جس کی طرف ہم نے پچھلی فصل میں بھی اشارہ کیا ہے۔ غیر ملکی محققین میں سے ایک شخص گوستاولوبون فرانسیسی جس نے تمدن اسلام و عرب پر بہت زیادہ تحقیق کی ہے اس طرح سخن طراز ہے۔ "اسلام کی جملہ سادگی و شان و مقام اسی وحدانیت مطلقہ کے مطابق و موافق ہے اور یہی سادگی اس دین کی قوت و استحکام کا باعث ہے چوں کہ اس میں کسی قسم کی پیچیدگی اور معمائیت نہیں ہے، اس لیے اسے آسانی سے سمجھا جا سکتا ہے۔ اور دیگر ادیان میں ان متضاد امور پر ایمان لانے کی تعلیم دی جاتی ہے جسے عقل سلیم کبھی قبول نہیں کر سکی دین اسلام میں ایسی کسی ایک بات کا بھی وجود نہیں ہے۔ خدائے واحد معبود مطلق ہے۔ تمام مخلوقات اس کی نظر میں مساوی ہیں۔

اس کے بعد مختصر سے ارکانِ دین ہیں جو فرض کیے گئے ہیں۔ بغور دیکھو کہ اس مذہب سے سادہ تر، روشن تر و فہم عامہ سے نزدیک تر کون سا مذہب ہے۔ ایک بہت ہی معمولی آدمی خواہ وہ کسی صنف یا طبقہ کا ہو، جب نیا نیا مسلمان ہوتا ہے تو اپنے مذہبی عقائد سے بخوبی واقف ہوتا ہے اور یہی نہیں بلکہ وہ اسے بہت سادہ و واضح الفاظ میں تسلسل کے ساتھ بیان بھی کر سکتا ہے۔ لیکن اس کے برعکس اگر ایک عیسائی سے مسئلہ تثلیث یا تبدیل جنس[1] اور ایسے ہی وہ مسائل جو دین عیسایئت میں پیچ در پیچ و پُر اسرار عقائد کی حیثیت رکھتے ہیں سوال کیا جائے تو تاوقتیکہ وہ علم کلام کا ماہر نہ ہو جواب سے ہرگز عہدہ برآ نہیں ہو سکتا[2]۔ عقائد اسلامی کے اصولوں کا وضوح، اس کا کھلا پن و سادگی کے علاوہ خلائق سے حُسنِ خلق، عدل و احسان جو اس مذہب کے سکہ کا دوسرا رخ ہے، تمام دنیا کی تسخیر کا بہترین سبب ہے اور یہی وضاحت بساطت (کھلا پن) و حُسنِ سلوک تھا جس کے وسیلے سے ان قوموں نے دین محمدیؐ کی دعوت پاتے ہی عیسایئت کو ترک کر کے اسے قبول کر لیا جو رومی شہنشاہوں کے زمانے سے دین مسیح کی پیرو تھیں، جیسے مصری وغیرہ، جب کہ دوسری طرف یہ صورت ہے کہ کوئی مسلمان قوم خواہ وہ غالب ہو یا مغلوب ایسی نہیں پائی گئی جس نے عیسایئت کی وجہ سے اسلام کو ترک کر دیا ہو[3]۔

ایران کے افق پر تجلی قرآن کی چمک نے اس زمین پر سعادت جاودانی کی بارش کر دی اور قرآن مقدس کی بہشتی تعلیمات تمام آلام و مصائب و اختلافات پر غالب آگئیں۔ جس وقت اسلام آیا ہے تو پورا ایران گوناگوں عقائد اور متضاد علماء کا عرصۂ کارزار بنا ہوا تھا۔ ہر جگہ فتنہ و فساد و مکروہات کا راج تھا جسے اقتدار و طاقت و غلبہ نے جنم دیا تھا۔ موبدان و ہیربدان بھی اس عہد کے آخری برسوں میں منہیات و زبوں حالی کو بڑھاوا دے رہے تھے۔ پہلوی کتاب "مینوگ خرد" جو اواخر ساسانی دور کے اواخر میں تالیف کی گئی تھی ایک مقام پر زرتشتی

---

[1] تبدیل جنس سے مراد یہ ہے کہ مخصوص مذہبی مراسم میں عیسائی جو بھی کھاتے پیتے ہیں روٹی ہو کہ شراب وہ حضرت عیسیٰ کے گوشت و خون کی صورت میں تبدیل ہو جاتا ہے لکھا ہے اس خرافات کو نہ قبول کرنے والے ہزاروں مسیحیوں کو بھڑکتی آگ میں جھونک دیا گیا۔

[2] میں نہیں سمجھتا کہ کوئی ماہر علم کلام تثلیث (تین خدا اور تین اقالیم) کو قبول کرتے ہوئے اسے توحید (ایک خدا، یکتا پرستی) میں تبدیل کر سکتا ہے۔

[3] تمدن اسلام و عرب ص ۱۳۲/۱۳۳

روحانیوں کے عیوب کو یوں بیان کرتی ہے" زرتشتی روحانیوں کا عیب، ریاکاری، حرص و غفلت و تن آسانی تنگ نظری و بدی پھیلانا ہے"

قرائن یہ بھی بتاتے ہیں کہ ساسانی دور میں زرتشت کے آئین میں بھی خلاف و اختلاف بہت زیادہ رہا ہے۔ ساسانی حکومت کی پوری قلم رو میں آئین زرتشت کا مختلف مذاہب و ادیان سے مقابلہ تھا مغرب کی سمت میں عیسائیت اور ستارہ پرست و کلدیانی مذاہب اس سے رگڑ جھگڑ لگائے رہتے تھے اور مشرق میں بدھ مت کا آئین اور بت پرستوں کا مذہب ان کے لیے دھمکی و چیلنج بنا ہوا تھا اس طرح خصوصاً عہد نوشیرواں سے فلسفہ یونان بھی خصوصاً اپنے بعض خیالات و نظریات کے باعث پریشانی کا باعث بن چکا تھا۔ مانی کا آئین جو اس زمانے کے متداول مذاہب کے عقائد کا معجون مرکب تھا وہ پیر مغاں کے نزدیک بہت بڑی بدعت تھا اور جیسا کہ تاریخوں میں مرقوم ہے کہ موبدوں نے اسے اٹھا کر پھینکنے کی بیحد کوشش کی اس کا محاکمہ کیا اور اسے نابود کر کے اس کے ماننے والوں کو بھی عبرتناک اذیتیں پہنچا ئیں۔ گروہ مغاں نے مانویوں کے قتل و اخراج میں جو تعصب برتا اس نے زندیقیت و الحاد کے دروازے کو بند نہیں کیا کیونکہ تھوڑے ہی دنوں بعد ہی مزدک ظاہر ہوا اور اس نے نیا راگ چھیڑ دیا۔ جیسا کہ معلوم ہوا ہے یہ مزدک خود بھی موبدوں میں سے تھا اور اس نے جو اپنے دین کے لیے نئے قوانین بنائے اس کا شمار زرتشت کے خیالات کی تاویلات میں کیا جاتا ہے۔۔۔۔ موبدوں اور زرتشتی علماء و روحانیوں نے مانی کے عقائد کی طرح زروان کے آئین کو بھی ایک قسم کی بدعت و رفض مانا ہے اور اس کی مخالفت کی ہے۔۔۔ بے شک ایسے ہی گراں خیز ہنگاموں، تاریکیوں اور پراگندگیوں میں جنھوں نے فتنہ و فساد و گندگی کا بیج بو دیا تھا اور دنیا و زمانہ کے مزاج کو بھی تباہ و منقلب کر دیا تھا، سرزمین ایران پر کتابِ خدا کی کشادہ دامن روشنی نے چمکنا شروع کر دیا اور محمد عربیؐ کی وجد آفریں صدا کوچہ و دیار میں چاروں طرف ہر آواز پر غالب آگئی ہمارے سامنے قرآن کریم اپنے وسیع معارف اور بھاری بھر کم الہیات اور عمیق و بنیادی اخلاق و احکام کے ساتھ پیش کیا گیا ہم ایرانی تمام رنج و آلام و کشمکش سے آسودہ خاطر ہو گئے اور توحید کا آئین اور صحیح دین ڈھونڈ لیا۔ دیگر تمام تعلیمات قرآنی کے سوا ہم نے طلبِ علم پر دسترس پیدا کیا، اس لائق ہوئے کہ درس لیں، عالم ہو جائیں، اور آگہی طلب کریں اور ایسے صاحب فرہنگ عمیق و بار آور و قدیم عظیم قوم بن جائیں جو ہم عصر عالمی معارفِ انسانی کی تمام شاخوں کو اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہو بھلا ظہور اسلام سے قبل ساسانی حکومت، اس کی مضبوط بندشیں، جان سوز طبقاتی تقسیم

کہاں اجازت دیتی کہ ایک عام انسان کتاب کو ہاتھ بھی لگا سکے۔ اور مخصوص طبقہ کے باہر کا دیہاتی یا شہری بچہ مکتب و مدرسہ کا رخ کر سکے۔ بلکہ یہ کہنا چاہیے کہ مدرسہ و مکتب کا تو اس عہد میں وہ تصور بھی نہیں تھا جو اسلامی دور میں ہوا۔ مخصوص مقامات کے رہنے والوں کے لیے معمولی تعلیم کا چلن تھا اور وہ بھی موبدوں و ہیربدوں وامیروں اور امیر زادوں کے لیے جو چند خانگی معلموں کے ذریعہ دی جاتی تھی، تھوڑا سا علم طب و نجوم بادشاہوں کی سلامتی کو محفوظ رکھنے اور ان کے مستقبل کو جاننے کے لیے سکھایا جاتا تھا۔ لیکن یہ کہ ہر محلہ و گلی و کوچہ میں چند مساجد کی تعمیر ہو اور ہر مسجد میں چند معلم درس دیں کچھ محدث حدیث بیان کریں اور چند خطیب آداب و معارف کی تعلیم دیں (دیگر مکاتب کے علاوہ) تو یہ سب اسلام کی برکت اور اسلامی تربیت و ثقافت کی دین ہے ورنہ اسلام کے پہلے حالت یہ تھی کہ:

"جدید اوستا میں ایرانی معاشرہ کو تین طبقوں میں تقسیم کیا گیا تھا ایک علما و روحانیوں کا (آثرون) دوسرا جنگجو لوگوں (رث ایشتر) اور تیسرا کسانوں (واستریو فشونیت) کا۔۔۔ جب ساسانیوں کی باری آئی تو سماج میں کچھ نئی تشکیلات وجود میں آئیں مگر وہ بھی چار طبقوں میں تقسیم تھیں۔ فرق صرف اتنا تھا کہ اس میں تیسرا طبقہ منشیوں کا بنایا گیا تھا اور کسانوں اور اہل حرفہ کو چوتھے طبقے میں رکھا گیا تھا۔ ایرانی معاشرہ دو رکن پر استوار تھا۔ مالکیت و خون، نامۂ تنسر کے مطابق اشراف و نجبار کو عوام الناس سے جدا کرنے والے حدود بہت ہی محکم و مضبوط تھے۔ ان کا باہمی امتیاز لباس سواری محل، باغ و عورت و خدمت گار تھے۔ شاہنامہ فردوسی میں کلاہ خسروی وزریں کفش کے تعلق سے بہت کچھ بیان ہوا ہے جو بڑے شرفار کا مایۂ امتیاز ہوا کرتا تھا۔ اس کے علاوہ اجتماعی مراتب کے لحاظ سے ہر طبقہ کا سماج میں درجہ اور مقام مقرر تھا اور ساسانیوں کی محکم سیاست کے قواعد میں سے ایک یہ بھی تھا کہ کسی کو سزاوار نہیں کہ حسب نسب کے تقاضے سے جو درجہ اسے ملا ہے اس سے بالا کی تمنا کرے۔

ملکی قانون خاندانوں کے خون کی پاکی و بے آمیزی اور ان کے غیر منقولہ اموال کا محافظ تھا۔۔۔۔

لہ جیسا کہ ایک عیسائی محقق "علم در تاریخ" کا مصنف جان ہرنل اس زمانے میں یکسی دنیا کے علم و دانش کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے نجوم کا علم محصور تھا صرف جنتری درست کرنے اور عید پاک کا دن متعین کرنے میں اس سے آگے وہ ذرہ بھر نہیں بڑھ سکتا تھا۔ کتاب مذکور ترجمہ ح اسپور، وکامران فانی چاپ امیر کبیر تہران (۱۳۵۳) ج ۱ ص ۲۲۸

دفاتر و کچہریوں میں اونچے خاندانوں کے نام درج کیے جاتے تھے حکومت ان کے تحفظ کی ذمہ دار تھی اور عوام کو اشراف کی جائداد و مال کے خریدنے سے روکتی تھی عوامی طبقہ میں بھی کھلا ہوا امتیاز و تفاوت تھا، افراد میں سے ہر ایک مستقل مقام رکھتا تھا۔ کوئی دوسرا اس کے ہنر کو حاصل نہیں کر سکتا تھا۔ کیوں کہ وہ از جانب خدا اسی کے لیے پیدا کیا گیا تھا . . . شاہان ایران سکیرٹریٹ میں پست نسل والوں کو نہیں رکھتے تھے۔ مجموعی طور پر کوئی ایک طبقہ سے دوسرے بالا طبقہ میں جانے کا مجاز نہیں تھا، سوائے اس کے کہ کبھی اس میں استثنا واقع ہو جائے اور یہ اس وقت ہوتا جب کہ رعیت کی کوئی فرد کسی ہنر میں خاص اہلیت ظاہر کر دے۔ ایسی صورت میں "نامہ تنسر" کی بنا پر اسے شہنشاہ کے سامنے پیش کیا جاتا پھر موبدان و ہرابذہ کے امتحان اور طویل غور و خوض کے بعد اگر اسے مستحق جانا جاتا تو دوسرے طبقے ملحق کر دیا جاتا[1]

ایران میں اسلام سے پہلے تحصیل علم کی ممنوعیت اور طلب علم و درس خوانی پر پابندی کی طرف ہم نے جو اشارہ کیا ہے اس کا بہترین گواہ وہ دردناک واقعہ ہے جسے حکیم ابو القاسم فردوسی نے "شاہنامہ" میں نقل کیا ہے۔

خسرو نوشیرواں (خسرو اول ساسانی ۵۳۱ - ۵۷۹ ق م) رومیوں سے لڑتے لڑتے دیوالیہ ہو جاتا ہے خزانہ خالی اور سپاہیوں کے خرچ کے لیے رقم کی سخت قلت ہو جاتی ہے۔ موبد آتا ہے خسرو کو اس بدحالی کی خبر دیتا ہے۔ خسرو کا چہرہ اتر جاتا ہے اور غمگین ہو کر بوذرجمہر (وزیر باتدبیر) کو طلب کرتا ہے اور اس سے کہتا ہے کہ فوراً سواریاں تیار کرو تیز رفتار دو کوہان والے اونٹوں کے ساربانوں کو مازندران روانہ کرو تاکہ وہ وہاں سے دس خزانے بار کر کے لے آئیں بوذرجمہر کہتا ہے یہاں سے مازندران بہت دور ہے اور فوج تہیدست و بے رسد و خوراک ہے بہتر یہ ہوگا کہ یہیں نزدیک کے شہروں میں سے کسی مالدار تاجر یا تعلق دار کو ڈھونڈ کر اس سے قرض لے لیا جائے۔ خسرو نے اس مرد دانا کی بات پسند کی تب بوذرجمہر نے ایک ہوشیار و باوجاہت آدمی کو منتخب کر کے کہا جلد جاؤ اور دیکھو کہ کوئی بھی بڑوں سے ہم کو قرض دے سکتا ہے اس سے کہنا کہ ہم بہت جلد اس کا مطالبہ سرکاری خزانہ سے ادا کر دیں گے۔ اور اس کی خواہش بر لائیں گے گماشتہ آتا ہے لوگوں کو جمع کرتا ہے اور قرض کا ذکر کرتا ہے مجمع میں ایک لانگ بوٹ بنانے والا موچی بھی تھا[2] اس نے مامور

---

[1] ایران در زمان ساسانیان۔ آرتھر کریسٹن سن ترجمہ رشید یاسمی چاپ ابن سینا (۱۳۳۲ ش) ص ۱۱۸ و ۳۲۹ - ۳۳۱

[2] کفشگر، موچی، عہد ساسانی کی اغلب روایات میں پست طبقہ کا نمونہ ہے اور جگہ جگہ اس کی مثال دی جاتی تھی۔ ایران در زمان ساسانیان ص ۳۳

کی بات کو دھیان سے سنا اور جب اسے حقیقت کا علم ہوا اور ساتھ ہی اپنی دیرینہ آرزو کی تکمیل کا آسرا پیدا ہوا (ایسی تمنا جو ہر باشعور انسان کے دل میں ہوتی ہے. موچی اس کے بر آنے کا خواب بھی دیکھنے لگتا ہے، چنانچہ رقم مطلوبہ کے بارے میں استفسار کرتا ہے اور جواب ملنے پر اتنی قرض دینا قبول کر کے ترازو باٹ لا کر چالیس ہزار دِرم تول کر دیدیتا ہے پھر التجا کرتا ہے کہ اس رقم کے بدلے میں [illegible] ذرجمہر ہمت کر کے خسرو سے یہ سفارش کر دے کہ میرے بیٹے کو اسکول جانے کی اجازت دیدی جائے۔ [illegible]ستادہ یہ پیغام پہنچانا منظور کر لیتا ہے اور بوذرجمہر کو وہ خطیر رقم دینے کے بعد اس موچی کی گزارش بھی پیش کر دیتا ہے، بوذرجمہر یہ بات خسرو کے گوش گزار کرتا ہے خسرو کو غصہ آجاتا ہے اور وہ اپنے عقلمند وزیر سے کہتا ہے کہ کسی دیو نے تیری عقل کی آنکھوں کو اندھا کر دیا ہے جا اور ان اونٹوں کو لے جا اور اس قرض کو واپس کر دے کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم اس سے چاندی اور جواہرات مانگنے لگیں۔

جی ہاں ایسے سخت حالات اور احتیاج لازم کے وقت وہ قرض (اس جرم میں کہ اس کا دینے والا ایک نچلے طبقہ کا فرد ہے نہ وہ اہل حرفہ میں ہے نہ منشی زادہ نہ موبذ زادہ نہ اونچے خاندان کا پھر یہ کہ وہ اپنے بیٹے کے لیے حصولِ تعلیم کی اجازت کا بھی طلب گار ہے) لوٹا دیا جاتا ہے اور پھر دوسروں سے قرض مانگنے کی فکر کی جاتی ہے" درم خواہ وز موزہ داران مخواہ" اور اس طرح اس شخص کے دل کو پُر خون کر دیا جاتا ہے جو اپنے فرزند کی تعلیم کا تمنائی تھا اور اتنے سارے ایثار و عاجزی والتماس کے بعد بھی اس کفش گر کی یہ آرزو مٹی میں مل جاتی ہے کہ وہ اپنے بیٹے کو تعلیم دلا سکے۔ فردوسی نے اس کفش گر کی داستان کو بیالیس بیتوں میں نظم کیا ہے (جسے مولف کتاب نے نقل کیا ہے مگر یہاں اس کے دہرانے سے کچھ حاصل نہیں)۔

۲۔ عوامی تہذیب و تمدن:

یہ تو تھا حکومتی نظام جسے ہم نے ابھی بیان کیا اس کے علاوہ خواہ سیاسی حلقہ ہو یا مذہبی ہر جگہ وسیع جمود حکمراں تھا بس ایک خاص طبقہ مجوسیت و مسیحیت کی بندھی ٹکی تھوڑی سی معلومات کو گنے چنے لوگوں کے سینوں میں منتقل کرتا چلا آرہا تھا۔

یہ تو تھی علم و دانش کی کیفیت، رہا عوام سے برتاؤ و سلوک کا مسئلہ سو وہ کتبِ تاریخ میں مشہور ہے کہ جس وقت حضرت علی علیہ السلام شام کے ارادے سے نکلے اور شہر انبار[۹۲] پہنچے تو وہاں پر انبار کے عمائدین شہر

کسان موجود تھے جب انھوں نے اسلامی دنیا کے پیشوائے اعظم حضرت علیؑ کو دیکھا تو اپنی سواریوں سے کود پڑے اور پھر امام کی سواری کے ارد گرد اور آگے غلاموں کی طرح دوڑنا شروع کردیا" امام نے فرمایا "یہ کیا کر رہے ہو؟

انھوں نے جواب دیا "یہ ہمارا قدیم دستور ہے اس طرح ہم اپنے حکمرانوں کا استقبال و احترام کرتے ہیں۔

آپؑ نے فرمایا:

خدا کی قسم تمہارے حکمرانوں نے اس سے کچھ بھی فائدہ نہیں اٹھایا اور تم خود اس سے تکلیف میں پڑے اور آخرت کی خرابی میں گرفتار ہوئے کس قدر ضرر رساں ہے وہ زحمت جس کی سزا بھی ملے اور کتنی مفید ہے وہ راحت جس کی سزا نہ ہو[2]

یہ کسان کون تھے کتابوں میں ملتا ہے کہ اس زمانے میں موٹے اسامیوں اور بڑے زمین داروں کو کسان کہا جاتا تھا۔ اب ہی دیکھ لیجیے کہ سماج کے سربراہ اور اونچے لوگ بھی ایرانی حکام و امرا کے سامنے کس قدر ذلت و انکساری دکھاتے اور اپنی غلامی کی نمائش کرتے تھے۔ امام عالی مقام نے اسلام کی عمیق و اعلیٰ تربیت کے حوالے سے انھیں اس ذلت وخواری سے روکا اور ان کی شخصیت کو دوبارہ ابھار دیا۔ اگر ہم اس طرح کے نمونے دکھانے چاہیں تو پوری تاریخ دوبارہ لکھنی ہوگی کیوں کہ وہ دور انسان کی بے مائیگی و غلامی اور چند افراد کے لیے سب کو ذلیل و رسوا کرنے کے واقعات سے پُر ہے۔ کیا یہ منقول نہیں کہ:

جب آخری ساسانی بادشاہ یزدگرد شہریار نے عربوں کے حملے سے مجبور ہو کر اپنے دارالسلطنت "مدائن" کو ترک کیا اور اپنی سلطنت کے مشرقی و شمالی حصہ کا رخ کیا تو کئی ہزار درباریوں نے اس سفر میں اس کا ساتھ دیا۔ مورخین کے مطابق صورت یہ تھی ہزار مغنی و سازندے ہزار باورچی خانے کا عملہ ہزار نفر باز (شکاری پرندہ) والے اور شکاری عملہ اس کے ساتھ تھا[3]

---

[1] حاشیہ صفحہ ۹۲ کا۔ انبار (پیروز شاپور) قدیم شہر ساحل فرات پر غرب بغداد میں ۶۲ کیلو میٹر دوری پر شاپور اول ساسانی نے جس کی نو سازی کی۔

[2] نہج البلاغہ شرح ابن الحدید چاپ ۲۰ جلدی مصر تحقیق محمد ابوالفضل ابراہیم ج ۱۸۔ ص ۱۵۶

[3] مقالہ "بروزیہ حکیم و درود کی شاعر" مجتبیٰ مینوی مجلہ دانشکدہ ادبیات استان مشہد سال ، شمارہ ۴

ہاں یزدگرد کا دل بہلانے کے لیے ہزار آدمیوں کا طائفہ رقص و سرود ... اور ہزار اشخاص باورچی خانے کے لیے اور ہزار شکاری اور شکاری پرندہ والے لوگ وغیرہ وغیرہ۔ ان حالات کا اسلامی دور سے تقابل کریں اسلام کے بزرگ خلیفہ علی ابن ابی طالبؑ چند افراد کی مدد سے ایک وسیع مملکت کا نظام چلاتے ہیں اور خود زاہد ترین انسان کی زندگی بسر کرتے ہیں اس زمانے میں جب کہ لاچار عوام، فضول خرچی و عیاشی میں ڈوبے ہوئے ساسانی دربار کے لیے طرح طرح کے لگان و ٹیکس ادا کرنے پر مجبور تھے۔ ایسا زمانہ جب کہ ہزاروں خاندان صرف اس لیے تباہ و برباد رہتے تھے کہ ان کا لوٹا، چھینا، کھسوٹا مال یزدگرد جیسے بادشاہان ایک مستی بھری رات میں مطرب و ساقی و مسخروں پر نچھاور کر سکیں، وہ وقت جب کہ سیکڑوں بے گناہوں کا خون اس لیے آسانی سے بہا دیا جاتا تھا تاکہ بادشاہوں کے خدمت گزار اپنے اپنے دسترخوانوں کو رنگارنگ نعمتوں سے سجا سکیں جب کہ اسلام کا بزرگ پیشوا اور قرآن پر عامل حکمراں جو کی دو سوکھی روٹیوں اور دو تن پوش پارچہ پر زندگی گزارتا ہے۔ اور اگر اس میں کچھ اضافہ کے لیے ان سے کہا جاتا تو فرماتے کہ ہو سکتا ہے کہ میری مملکت میں کوئی ایسا شخص بھی ہو جسے جو کی روٹی بھی میسر نہ ہوتی ہو۔

اسلام حقیقی میں نہ صرف یہ کہ عوام معاشرہ کے پیشوا جیسے مساوی و محترم تھے اور قاضی و جج کے سامنے کھل کر بولتے تھے جیسا کہ انبار کے لوگوں کے ساتھ اور اپنے پورے دور خلافت میں حضرت علیؑ کا سلوک اور ان کے احکام از آں جملہ "عہد نامہ مالک اشتر" میں بھی آشکار و مسلم ہے۔ دیگر مسائل و معاملات میں بھی عوام آپؑ کے عہد میں کسی اور پریشانی و بندھوا مزدوری یا بیگار میں گرفتار نہ تھے۔ نہ ان کا خون نچوڑا جاتا نہ ان کی انسانی شناخت کو مسخ کیا جاتا تھا۔

"اسلام کا ظہور ناگہانی واقعہ تھا رہبر اسلام حضرت محمد مصطفےٰؐ کی وفات (۶۳۲ء ۱۱ ہجری قمری) کے بعد پانچ سال کے اندر ایسا ہوا کہ اسلام کے لشکر نے روم و ایران کی فوجوں کو شکست فاش دے دی... اور آٹھویں صدی عیسوی تک انھوں نے اپنی فتوحات کا دامن وسط ایشیا و اسپین تک بڑھا لیا صرف ایشیا و افریقہ میں رومی نو آبادیات (ایشیائے صغیر کو چھوڑ کر) ہی پر مسلمانوں نے قبضہ نہیں کیا بلکہ ساسانی سلطنت جو وسط ایشیا سے ہندوستان تک پھیلی ہوئی تھی وہ بھی اسلام کے زیر نگیں آگئی۔

اس دور کے بعد اس وسیع علاقے میں مشترک تہذیب، مشترک مذہب اور مشترک علمی زبان پائی جانے لگی۔ یہاں تک کہ چند صدیاں ایسی گزر رہی ہیں جب کہ تمام اسلامی شہروں میں ایک حکومت

ہی نہیں مشترکہ تجارت بھی تھی مسیحیت، جو سرکاری مذہب کا رتبہ پا چکی تھی، وہ بجائے اس کے کہ ایشیا و افریقہ کے لوگوں کو اسلام کے خلاف بھڑکاتی اکثر و بیشتر ان کے لیے خود سپردگی و سستی و تسلیم کے اسباب فراہم کرنے والی بن گئی۔ دوسری طرف مشرقی خطے کے باشندوں کا معاملہ تھا۔ جن کی اکثریت تو مسیحیت کے مریدوں کی تھی مگر وہ خود کو اسلامی خلفاء کی حکومت میں زیادہ آسودہ و مطمئن پاتے اور مسیحیوں کے خلاف علم بغاوت بلند کرتے رہتے تھے۔ الغرض قرطبہ سے بخارا تک پوری اسلامی مملکت میں روم کی طرح کوئی ایسا مرکز نہیں تھا جو سلطنت کے اقتصادی شیرہ کو چوس لیتا ہو۔ ہاں مکہ ضرور مذہبی مرکز تھا مگر وہ کسی حیثیت سے اقتصادی یا سیاسی و تہذیبی مرکزیت نہیں رکھتا تھا۔ یہی نہیں کہ اسلام میں اس طرح کی مرکزیت تھی ہی نہیں بلکہ اسکندریہ، انطاکیہ، دمشق جیسے قدیم شہروں نے نیا چولا بدل لیا اور مملکت کے مختلف حصوں میں ان شہروں جیسے کئی اور نئے شہر وجود میں آگئے اور انھوں نے وسعت بھی پیدا کرلی! اس زمرہ میں قاہرہ، بغداد و قرطبہ کا نام لیا جاسکتا ہے جو دار السلطنت بھی رہے اور سبھی باہم دائمی ارتباط بھی رکھتے تھے۔

خدا کے پیغمبر محمدؐ تنہا اٹھ کھڑے ہوئے اور اتنے عظیم کام کا ذمہ لیا کہ آج بھی اس پر یقین نہیں آتا محمدؐ نے قبایل کے کہنہ و پارینہ خداؤں کی بساط الٹ دی اور سب کو خداوند یکتا یعنی "اللہ" کی اطاعت پر جمع کردیا۔ اسلام جو اخوت ہمگانی کا منادی تھا نہایت سادہ و آسان آئین رکھتا تھا۔ اس کی الٰہیات سراسر توحید میں رنگی ہوئی تھی۔۔۔۔ اسلام میں نہ کلیسا کی حاجت تھی نہ پادریوں کی ضرورت۔ صرف مسجد بنائی جاتی تھی جس میں نماز جماعت ہوتی تھی۔۔۔۔ اسلام اپنی ابتدا ہی سے دانش و علم کا دین مانا جانے لگا تھا۔۔۔۔ اسلام کی طاقت چند حکمرانوں سے نہ تھی بلکہ مومنین کی کثیر جماعت کی توانائیوں سے اس نے قوت حاصل کی۔۔۔۔ اور اس طرح وہ اپنے تسلط کو افریقہ و ایشیا کے بڑے علاقے تک وسعت دے سکا اور ہر جگہ اسلامی معاشرہ کی ثقافت کو جاگزیں کرسکا۔ اگرچہ تھوڑے دنوں بعد یہ پھیلاؤ رک گیا۔ لیکن اس نے اپنے نفوذ کو آج تک مثل سابق محفوظ رکھا ہے"[1] اور ہم جانتے ہیں کہ آج بھی اسلامی ممالک پر یورپ کی برتری صرف صنعتی و مشینی ہے اور کچھ نہیں اور یہ بات معمولی فکر سے معلوم ہوجاتی ہے۔[2]

---

[1] علم در تاریخ ص ۲۱۶ - ۲۰۷

[2] علم در تاریخ ص ۳۵۶

یہاں تک کی گفتگو میں واضح ہو گیا کہ ایران میں اسلام کا ورود کس مقصد کے تحت ہوا اور مسلمان عربوں کے ایران میں آنے کے وقت جو نظامِ زندگی تھا وہ کس قانون وقاعدہ کے تحت تھا اور کن ہاتھوں میں تھا۔

اب اس بے جان نظامِ حیات، ایسی وحشت ناک بندش والی زندگی اور انسانی شناخت وشرف کے ٹکڑے اڑا دینے والے نظام کا ایسے انسانی نظام سے مقابلہ کرو جو کہتا ہے خدا کی نظر میں تم میں سب سے زیادہ معزز وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہے۔" "آیا آگاہ لوگ اور ناواقف برابر ہیں۔"

"علم و دانش کی طلب وتلاش ہر فرد پر واجب ہے۔" "دانشمند و عالم کی نیند عبادت ہے" "علماء و دانشمندوں کے قلم کی سیاہی شہداء کے خون سے برتر ہے" "علماء پیغمبروں کے جانشین ہیں" "علم کے لیے دوڑ پڑو اگرچہ اس راہ میں تمہارا خون بہہ جائے" "جو شخص بیل علم و دانش کے لیے قدم بڑھاتا ہے۔ خدا اس پر بہشت کا دروازہ کھول دیتا ہے" "طالبانِ علم کے پیروں تلے فرشتے اپنا پر بچھاتے ہیں" "علم کی طلب مال کی تلاش سے زیادہ واجب ہے۔"

ظاہر ہے کہ ایسے نظام میں علم و دانش طلبی کی کیا کیفیت رہی ہوگی اور اس نے کیسے رواج پایا ہوگا اس طرح سے اسلامی تعلیمات نے ——— جس میں طلب علم پر اتنا زور دیا گیا اور لوگوں کو حصولِ علم کا اتنا شوق دلایا گیا ہے ——— درس، کتاب خوانی اور آگہی پر کچھ لوگوں کی اجارہ داری ختم کر کے علم وتعلیم کو عام کر دیا۔ اور اس طرح وہ گرہ یکبارگی کھل گئی جو ایرانی عوام کے دل وجان میں مدتوں سے جڑ بنا چکی تھی اور پھر آغاز ہی میں عالموں، فقیہوں، محدثوں، حکیموں، ادیبوں، ریاضی دانوں اور دوسرے دانایانِ اسلامی کی قابلِ لحاظ تعداد ایرانیوں ہی میں پیدا ہوگی اور وہ بھی دیہاتوں اور غریب طبقے سے کیوں کہ اس وقت تک وہ دیو ہیکل قانون ودستور پراگندہ ہو گیا تھا، قید وبند کی زنجیریں ٹوٹ چکی تھی اور علم وآگہی کی راہ میں جو ہولناک اذیت وسزائے موت کے موانع تھے وہ سب ہوا ہو چکے تھے۔ چنانچہ تشنۂ علوم وآگہی عوام، دریائے مواج کی طرف چل پڑے اور یوں جلیل القدر علماء کی ایک جماعت نے غلامت درجہ افتادہ مواضعات وقریوں میں پرورش پائی۔

اب وہ دیہاتی لوگ جن کا کوئی شمار نہ تھا۔ چمار کمہار کا وہ بچہ جو حق نوشت وخواند بھی نہیں رکھتا تھا نہ یہ کہ صرف اعلیٰ حضرت کے نورچشموں کے برابر بیٹھ کر ان کے ساتھ سبق پڑھتا بلکہ اگر ان سے زیادہ استعداد پیدا کر لیتا تو آگے نکل جاتا اور ان کا معلم بن جاتا حتی کہ مقتدر خلفاء کے فرزند اس کی جوتیاں سیدھی کرنے کے لیے ایک

دوسرے پر بازی لے جانے کی کوشش میں رہتے۔ گویا ایرانی معاشرہ اسلام کے ورود کے بعد ہی زیر و زبر ہو گیا اور ہر گوشے و ہر صف کے آدمی نے تحصیل علم کی اور عالم بن گیا۔

بقال، عطار، موچی، تیلی، گھسیارہ، خرمہ فروش، جلاہا، رسی بٹنے والا، دُھنیہ، کمہار وغیرہ وغیرہ ان سب کو اسلام نے ایک نظر سے دیکھا اور ایک قطار میں رکھا۔ اور سب کو حقوق انسانی کا حامل قرار دیا۔ چنانچہ اسلام ہی کے سایہ میں غلاموں اور بردگان میں سے متعدد بزرگ عالم نکلے اور خلفاء کے دربار میں جاکر بیٹھ گئے اور ہر طبقہ و قبیلہ کے لوگوں نے ان کی اقتدار کی اور انھیں اپنا پیشوا اور رہبر تسلیم کیا۔

اس طرح اسلام تمام ذلت و خواری کو مٹا کر آزادی و آگہی و بلندی لایا۔ گمنام چہروں کو بلند کیا۔ خلق خدا کو رہائی بخشی امیدوں کو زندہ کیا۔ زنجیر و طوق کو دور پھینک کر غلاموں کو دلیر بنایا۔ ہر برائی کو ہٹایا اور ہر اچھائی کی حفاظت کی جن لوگوں نے خلوص و صدق دل سے اسلام قبول کیا اور پیغمبرؐ کے پیرو ہوئے وہ فلاح و رشد کے حامل ہوئے اور گمراہی و تباہی سے نجات پائی۔ اس حقیقت کو خود قرآن کریم نے یوں یاد کیا ہے "الذین یتبعون الرسول النبی الامی الذی یجدونہ مکتوبا عندھم فی التوراۃ والانجیل۔ یامرھم بالمعروف وینھاھم عن المنکر و یحل لھم الطیبات ویحرم علیھم الخبائث، ویضع عنھم اصرھم والاغلال التی کانت علیھم فالذین اٰمنوا بہ وعزروہ ونصروہ واتبعوا النور الذی انزل معہ اولئک ھم المفلحون" وہ لوگ جنھوں نے ہمارے اس رسول کی پیروی کی جو امی ہے اور جس کا نام وہ توریت و انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں وہ جو انھیں اچھائی کا حکم دیتا ہے اور برائی سے منع کرتا ہے اور پاکیزہ چیزوں کو حلال اور گندی اشیاء کو حرام قرار دیتا ہے اور ان کے کندھوں سے اس بار کو ہٹاتا ہے جو ان پر لدا ہوا تھا اور ان بھاری زنجیروں کو کاٹتا ہے جن میں ان کے قدم جکڑے ہوئے تھے پس وہ مومنین جو اس پر ایمان لائے اور دشمن کو اس سے دور رکھا اور اس کی مدد کی اور اس نور کی پیروی کی جو اس کے ساتھ نازل کیا گیا وہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔" یہ تھی اسلام کے قبل و اسلام کے بعد اقوام و امم بشمول ہمارے آباؤ اجداد[1] کی سرنوشت اور حقیقت و واقعیت بھی یہی ہے جیسا کہ ہم نے ایک دوسری جگہ لکھا ہے کہ درحقیقت یہ عہد اسلامی کی برکت تھی کہ ایرانی اپنی تمام علمی

---

[1] مصنف ایرانی ہیں

وثقافتی واجتماعی ومعنوی صلاحیت کو ظاہر کر سکے حتیٰ کہ ایک وسیع مفہوم میں بحیثیت انسان اپنی شخصیت کا پیمانہ بھی پا سکے۔ وہ تمام مسائل جو ایران میں اسلام سے پہلے خصوصاً عہد ساسانی میں عوام پر حکم فرما تھے وہ تھے طبقات کا شدید تحفظ اکثریت کی غلامانہ زندگی، تحصیل علم سے عامۃ الناس کی دردناک وغم انگیز محرومی، امکانات مالی کی حد تک تعدد ازدواج کی آزادی پر یہ سب کچھ اسلام کے آنے کے بعد ایران سے اڑنچھو ہو گیا اس زمانے میں جو کچھ بھی تھوڑا بہت علم وہنر تھا بھی تو اس سے عوام بالکل دور تھے۔ ان پر سماج کے اعلیٰ طبقے کی اجارہ داری تھی۔ لیکن اسلام جس وقت ایران میں آیا تو استعداد وصلاحیت کی قاتل تمام حد بندیوں کو چور چور کر دیا اور علم وعلم طلبی کو زیر زمین نہروں کی طرح ہر سمت میں ایسی روانی بخش دی کہ وہ عظیم ایران میں ایک سرے سے دوسرے تک جاری وساری ہو گئی اس کے بعد پھر تحصیل وطلب علم میں یہ سوال نہ اٹھا کہ یہ امیرزادہ ہے یا چمار کی اولاد ہے یا پیر طریقت کا گدی نشین۔

اسی کرشمہ کے زیر اثر گمنام ترین خاندانوں سے نامور ترین دانشمند وادیب ومفکر وفلاسفہ وریاضی داں، ماہر فلکیات، محدث، مفسر، متکلم وشاعر وطبیعیات وکیمیا کے ماہر وطبیب وحکیم.....سامنے آئے جیسے فارابی، ابن سینا، بیرونی، بہمنیار، خواجہ نصیر الدین طوسی، شیخ الطائفہ طوسی، شیخ صدوق، عمر خیام، غزالی، زمخشری، ابو العباس لوکری مروی، شیخ عبد القاہر جرجانی، ابوعلی احمد بن محمد مرزوقی اصفہانی، خطیب تبریزی، ابو بشر سیبویہ، ابو الفتوح رازی، فخر رازی، ابو زید بلخی، ابو معشر بلخی، ابو حاتم رازی، عبد الرحمان صوفی اصفہانی، ابو سلیمان سجستانی، عز الدین علی جلدکی شہدی، شیخ اشراق سہروردی، جلال الدین محمد مولوی، شیخ عطار نیشاپوری، حکیم سنائی، حکیم ناصر خسرو، ابو الحسن مہیار دیلمی، شیخ مصلح الدین سعدی، شمس الدین محمد حافظ، احمد بن طیب سرخسی، ابن جریر طبری، امام الحرمین جوینی، محمد بن اسماعیل بخاری، مسلم بن حجاج نیشاپوری، ابوعلی فارسی، مجد الدین فیروزآبادی، غیاث الدین جمشید کاشانی، غیاث الدین منصور دشتکی، سید حیدر آملی، ملا محسن فیض کاشانی، عبد الرزاق لاہیجی، قاضی سعید قمی، میر داماد حسینی استرآبادی، جلال الدین دوانی، علامہ مجلسی، ملا صدرای شیرازی، میر ابو القاسم فندرسکی، قاضی عضد ایجی، سعد الدین تفتازانی، میر سید شریف جرجانی، ملا محمد مہدی نراقی، ملا فتح اللہ کاشانی، شیخ مرتضیٰ انصاری، حاج ملا ہادی سبزواری، حاج میرزا حبیب خراسانی، سید جمال الدین اسد آبادی، میرزا محمد حسین نائینی، شیخ محمد خیابانی، میرزا محمد حسن شیرازی، میرزا محمد تقی شیرازی، آخوند ملا محمد کاظم خراسانی، سید ابو الحسن اصفہانی، آیت اللہ بروجردی، علامہ محمد قزوینی، علامہ دہخدای قزوینی، شیخ آقا بزرگ تہرانی وصدہا دیگر اہم

شخصیات کہ ہم ایران میں اسلام کے قبل ایسے لوگ نہیں رکھتے تھے اور نہ اس نظام کہنہ کے ہوتے ہوئے ایسا ممکن ہی تھا۔

یہاں پر جب ایران میں اسلام کے ورود کی گفتگو چل نکلی ہے تو نامناسب نہ ہوگا اگر ہم یہ دھیان میں رکھیں کہ جب عرب اس سرزمین پر اسلام کے مبلغ و داعی بن کر آئے تھے تو وہ ہمارے لیے دین خدا کے حامل تھے اس لیے اس مرحلہ کے بعد خلفا بنی امیہ و بنی عباس کے دور میں جس نسل پرستی والی حکومت کا دور چلا وہ تعلیماتِ اسلامی کو فراموش کر دیے کا نتیجہ تھا لہٰذا اسے باہم دگر مخلوط کرنا نہیں چاہیے کچھ لوگ ناواقف ہیں اور کچھ لوگ واقف تو ہیں مگر غرض کے بندے ہیں ایسے لوگ کبھی کبھی جوانوں یا ایسے لوگوں کے اذہان میں برے شبہات ڈال دیتے ہیں۔ جن کی نظر ماخذ پر ہے نہ انھوں نے تاریخ پڑھی ہے اور تجزیہ و تحلیل و صحیح شناخت کی صلاحیت بھی نہیں رکھتے۔ لیکن ساری دنیا کے بے غرض و باخبر لوگ جانتے ہیں کہ عربوں کے لیے فتح ایران و روم و مصر دراصل ایک دین و ایک پیغام کی فتح تھی زمین کو ہڑپنے والی اور فوجی کامیابی نہیں تھی اس لیے صحیح وہی ہے جو ایک مذہبی مفکر نے بھی کہا ہے ذیل میں ہم اسے نقل کر رہے ہیں۔

"جہادِ اسلامی وہ نہیں ہے جس پر خلافت اسلامی نے عمل کیا اور اسلام کے دشمنوں نے اس پر اپنی رائے و خیال ظاہر کر دیا یعنی مغلوب قوموں پر سیاسی تسلط و ملکوں کی فتح بلکہ درحقیقت عالمی سطح پر جہادِ اسلامی اس بات کی کوشش ہے کہ ہدایت و گمراہی ایک دوسرے سے مفہوم و مصداق دونوں اعتبار سے جدا ہو جائے اور دونوں کی دوبارہ شناخت ہو اور بنی نوع انسانی نظر و شناخت اور ان امکانات و وسائل کو پا سکے جس سے ان دونوں میں تمیز کر سکے اور اپنی آزادانہ رائے سے ان دونوں محاذوں یا راستوں میں سے کسی ایک کا انتخاب کرے۔ اس بنا پر صرف اس لیے کہ سماجی زندگی اور عوامی فکر میں یہ دونوں راہیں دوبارہ پہچان لی جائیں۔ اور لوگ مادی و معنوی تکامل اور ترقی کے عوامل اور فلاح و نجات والی فطری سرگرمیوں اور جمود و انحطاط و پس ماندگی و رجعت قہقری و مادی و معنوی اضمحلال کے درمیان فرق قائم کر سکیں اور بہبود و خرابی و آزادی و غلامی و عزت و ذلت و عدل و ظلم و علم و جہل اور ان سب کا نچوڑ یہ کہ "رشد" "و غی" کو ایک بار نئے سرے سے پہچان لیا جائے۔ لوگوں پر لازم ہے کہ وہ ذہنی شناخت کے وسائل کو حاصل کریں اور یعنی انتخاب کے ذرائع بھی رکھتے ہوں۔ یہی وہ مقام ہے جہاں قرآن اپنا تعارف اولاً "وہ کتاب جس میں شک و شبہ نہیں" اور پھر ان لوگوں کے لیے جنھوں نے اپنی انسانی قدر و قیمت کا تحفظ کیا اور ان کی معنوی